As per new syllabus Andhra Pradesh

# جوہرِ ادب

انٹرمیڈیٹ سال دوّم (اُردو برائے زبان دوم)

(شاعری، نثر، قواعد)

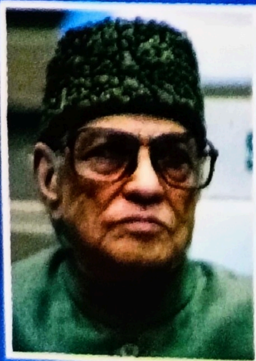
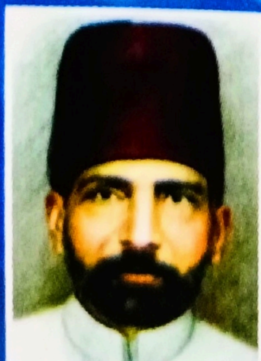
و

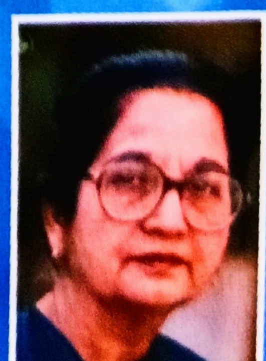
سرسری مطالعہ اور ماڈل پیپر

**STUDY MATERIAL**

**For Intermediate - IInd Year**

**Second Language**



As per new syllabus
Andhra Pradesh

# جوہر ادب

انٹرمیڈیٹ سال دوّم (برائے زبان دوم)

(شاعری' نثر' قواعد' سرسری مطالعہ اور ماڈل پیپر)

Study Material
Intermediate - IInd Year
Second Language

(برائے آندھرا پردیش جونیر کالجس جدید اردو نصاب)

مؤلف
ڈاکٹر ایم اے فاروقی

Published by:




دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلشرز
DECCAN TRADERS
Bookseller & Publishers

نام کتاب : جوہرادب

برائے انٹرمیڈیٹ سال دوّم (برائے زبان دوم)

(برائے ریاست آندھرپردیش)

ناشر : دکن ٹریڈرس حیدرآباد

طبع اوّل : نومبر 2020

تعداداشاعت : 2000

کمپیوٹر گرافکس : محمد وحیدالدین

صفحات : 184


ملنے کے پتے


☆ ڈاکٹر امجد علی گورنمنٹ جونیر کالج کڑپہ فون:9440224408

☆ حفیظ بک ڈپو۔کرنول۔فون:9440224969

☆ رحیمیہ بک ڈپو گنٹور۔فون:9885218000

☆ نندیال ☆ تنالی ☆ وجے واڑہ ☆ کم بم ☆ گنتکل

# فہرست

We have made sincere efforts to present this Guide without errors. But some errors might have crept in. We do not take any legal responsibility for such errors and omissions. If you bring them to our knowledge we shall correct them in our next edition.



# پیش لفظ

السلام علیکم! عزیز طلباء وطالبات! ریاست آندھرا پردیش کے سبھی جونیر کالجوں میں سال 2019ء کے جدید نصاب کے تحت انٹر میڈیٹ سال دوم کی اردو زبان دوم کتاب ''جوہر ادب'' (حصہ دوم) کی شرح آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ طلباء نئی کتاب کے متن کو با آسانی سمجھیں۔ اور اس متن کے بعد دیئے گئے سوالات اور دی گئی مشق کا آسانی سے جواب دے سکیں۔ اس قسم کی کتاب جس میں متن کے حوالے سے تشریح' اشعار کی تشریح اور سبق کے خلاصے کے ساتھ مرکزی خیال' قواعد اور جو دیگر اضافی معلومات دی جارہی ہیں۔ الحمدللہ اس کے اچھے نتائج سامنے آرہے ہیں۔ اور اس طرح کی کتاب کے مطالعے سے طلباء میں جہاں ادب شناسی کا شوق پیدا ہوا وہیں امتحان میں انہیں صد فیصد نشانات کے حصول میں مدد ملی۔

اس کتاب میں اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ جدید نصاب کے تحت جو اسباق شامل کئے گئے ہیں ان سے متعلق مکمل معلومات دی جائیں تا کہ طلباء کی اردو ادب کے مختلف گوشوں سے متعلق معلومات میں اضافہ ہو اور وہ مستقبل میں اردو زبان وادب کا بہتر مطالعہ کر سکیں۔ اگر طلباء اس کتاب میں دیئے گئے جوابات

کے طرز پر پرچہ امتحان میں جوابات لکھیں گے تو امید ہے کہ انہیں ضرور مکمل نشانات حاصل ہوں گے۔ نظموں کے خلاصے کے علاوہ غزلوں کے سبھی اشعار کی تشریح پیش کی گئی ہے۔ نثر کے سبق کے خلاصے کے ساتھ متن کے حوالے بھی طلباء کی سہولت کے لیے اس کتاب میں شامل کئے گئے ہیں۔ سرسری مطالعہ کے ساتھ ساتھ تمام قواعد کو شامل کیا گیا ہے۔ اور معروضی سوالات اور قواعد کی مکمل مشق کرائی گئی ہے۔ جو طلبا کو مسابقتی امتحانات TET,NET,DSC میں کام آسکتے ہیں۔ حوالہ اور مرکزی خیال اور دیگر سرخیوں کے لئے طلباء عبارت کو نمایاں کریں تو ممتحن کی توجہ آسانی سے اس جانب ہو جاتی ہے۔

اس نصاب کی تدریس کے دوران لکچررس سے خواہش کی جاتی ہے کہ وہ طلباء سے جوابات کی بلند خوانی کروائیں۔ الگ نوٹ بک میں جوابات لکھوائیں تا کہ ان کے لکھنے کی صلاحیت میں اضافہ ہو۔ طلباء جتنا زیادہ مطالعہ بڑھائیں گے اتنا ہی ان کا ذخیرۂ الفاظ بڑھے گا اور ان کے اظہار کی صلاحیت میں اضافہ ہوگا۔ امید ہے کہ طلباء اور اساتذہ کو یہ شرح پسند آئے گی۔

ناشر



# حصہ نظم

## نظم کی تعریف

اردو ادب نظم اور نثر پر مشتمل ہوتا ہے۔نظم ایک شعری اصطلاح ہے۔نظم کے لغوی معنی پرونا، ترتیب دینا، تشکیل دینا اور انتظام کرنے کے ہیں۔شاعری کی اصطلاح میں اشعار کا ایسا مجموعہ جس میں کسی ایک خیال کو تسلسل سے بیان کیا جائے اسے نظم کہتے ہیں۔نظم شاعری کی ایک منظّم صورت ہوتی ہے۔کسی بے ترتیب اور بکھرے ہوئے مواد کو موزوں اور مرتب شکل میں پیش کرنا نظم کہلاتا ہے۔نظم میں ایک ہی موضوع پر اظہار خیال کیا جاتا ہے۔ اور اسی مناسبت سے اس نظم کو عنوان دیا جاتا ہے۔نظم کے ہر شعر کا تعلق اگلے شعر سے ہوتا ہے۔اس میں زبان پاکیزہ، شستہ اور بلیغ الفاظ والی استعمال ہوتی ہے۔جس طرح ہم پورے ادب کو نظم ونثر میں تقسیم کرتے ہیں۔اسی طرح پوری شاعری کو ہم غزل اور نظم میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ادب میں جب نظم کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کے معنی نثر کے مخالف مفہوم کے ہوتے ہیں۔اور اس میں ان ساری اصناف کو شامل کر لیا جاتا ہے۔جو نثر میں نہیں ہیں۔جیسے مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، غزل، رباعی، نظم وغیرہ۔لیکن نظم الگ سے ایک مخصوص شعری صنف بھی ہے۔نظم میں ایک مرکزی خیال ہوتا ہے اور معنوی سطح پر اس میں ارتقاء بھی ضروری ہے۔نظم میں تسلسل اور تاثر بھی ہونا چاہیے۔نظم کے لیے نہ تو ہیت (یعنی ڈھانچہ مثلاً چار مصرعوں والا بند یا چھ مصرعوں والا بند) کی قید ہے اور نہ موضوعات کی اور نہ اشعار کی۔

چنانچہ اُردو شاعری میں مختلف ہیئتوں اور مختلف موضوعات پر نظمیں کہی گئی ہیں جیسے مخمس، مسدس اور غزل کی ہیئت میں۔ نظم میں اشعار کی تعداد بھی مختلف رہی ہے۔ نظم کی چار قسمیں مشہور ہیں۔ پابند نظم۔ معریٰ نظم۔ آزاد نظم اور نثری نظم۔ پابند نظم میں ہر مصرع ایک ہی بحر میں ہوتا ہے اور ردیف وقوافی کی پابندی ہوتی ہے۔ یہ نظم کی مقبول قسم ہے۔ معریٰ نظم بھی پابند نظم کی ہی ایک قسم ہے لیکن اس میں ردیف وقوافی الگ الگ ہوتے ہیں۔ اس کو انگریزی میں بلینک ورس بھی کہتے ہیں۔ آزاد نظم میں افاعیل (ایک ہی وزن کے الفاظ جیسے مسکرا۔ دیکھئے وغیرہ) کا حساب رکھا جاتا ہے۔ اس طرح کے ہم وزن الفاظ کسی مصرع میں دس بار، تو کسی مصرع میں محض ایک دو بار استعمال ہوتے ہیں۔ نظم کی چوتھی قسم آزاد نظم کی ہے۔ اسے نثری نظم بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں عروض اور ترتیب کا کوئی نظام ہی نہیں ہوتا۔ یہ ایک طرح کے نثری جملے ہوتے ہیں جنہیں کم زیادہ کر کے نظم کا تاثر پیدا کیا جاتا ہے۔ نثری نظم میں کسی بحر کی پابندی نہیں ہوتی بلکہ صرف آہنگ (ہم وزن الفاظ) کا خیال رکھا جاتا ہے۔ نظم کی مزید قسمیں بھی ہیں جیسے سانیٹ جو ۱۴ مصرعوں کی نظم ہوتی ہے۔ یہ بھی پابند قسم کی ہوتی ہے۔ اسی طرح قطعہ۔ رباعی۔ ترائیلے۔ ہائیکو۔ دوہے۔ ماہیے۔ وغیرہ نظم کی دیگر قسمیں ہیں۔ جن کی اپنی اپنی عروضی شکلیں ہوتی ہیں۔ پابند نظم کے مشہور شعرا میں قلی قطب شاہ، نظیرؔ اکبر آبادی، اکبر الہ آبادی، اقبالؔ، حالیؔ، چکبستؔ، سرورؔ جہان آبادی، تلوک چند محرومؔ، جان نثار اخترؔ، اختر الایمان وغیرہ مشہور ہیں۔ اسی طرح جدید نظم گو شعراء میں تصدق حسین خالدؔ، میراجیؔ، فیض احمد فیضؔ، مجید امجدؔ، مخدومؔ محی الدین، علی سردار جعفری، اختر الایمان، قاضی سلیمؔ، کمار پاشی، بلراج کوملؔ، عزیز قیسیؔ، وحید اخترؔ، سلیمان اریبؔ اور شاذؔ تمکنت قابل ذکر ہیں۔

# 1 بارش

ظفر علی خاں

## شاعر کا تعارف

ظفر علی خاں (1873-1956) اُردو کے مشہور صحافی اور شاعر گذرے ہیں۔ 19/ جنوری 1873ء کو سیالکوٹ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔ علی گڑھ سے انٹرنس پاس کیا۔ بی۔اے پاس کرنے کے بعد محسن الملک کے پرائیوٹ سکریٹری بنے۔ ملازمت چھوڑ کر سرگرم سیاست میں حصہ لیا۔ وہ ایک اچھے ادیب' صحافی' خطیب اور شاعر تھے۔ حکومت وقت کو اپنی تحریروں اور تقریروں سے پریشان کیا۔ اس لیے انہیں کئی مرتبہ جیل جانا پڑا۔ بارہ سال تک جیل میں رہے۔ ان کی مقبولیت ان کے اخبار ''زمیندار'' کی وجہ سے ہے۔ اس اخبار میں سیاست' ادب' مذہب' معاشرت' تاریخ اور تہذیب سے متعلق مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ مضامین کا انداز جوشیلا' سنجیدہ اور پروقار ہوتا تھا۔ اس لیے سب اس اخبار کو پسند کرتے تھے۔ ظفر علی خاں کا طرز تحریر دلکش تھا اور شاعری میں انہوں نے تشبیہات واستعارات خوب استعمال کیے۔ ان کی نظموں کا ایک مجموعہ ''بہارستان'' کے نام سے شائع ہوا۔ 27/ جنوری 1956ء کو کرم آباد میں ان کا انتقال ہوا۔

# نظم بارش

ابر تھا چھایا ہوا اور فصل تھی برسات کی
تھی زمیں پہنے ہوئے وردی بانات کی
آفتاب اوڑھے ہوئے تھا چادر ابرِ سیاہ
برق کی چشمک زنی سے خیرہ ہوتی تھی نگاہ
بادل اتنے میں در ناسفتہ برسانے لگے
داستانِ قلزم و عمال کو دہرانے لگے
جھوم کر اٹھی گھٹا برسی برس کر چھٹ گئی
گرد کی چادر زمیں کے منہ سے فوراً ہٹ گئی
بادلوں سے نور خورشید اس طرح چھننے لگا
سائباں قوسِ قزح کا اس طرف بننے لگا
سبزہ زاروں میں کلیلیں کرتے پھرتے تھے ہرن
تھا مہابن کا ہر اک کو ناختن اندر ختن
جنگلوں میں مست ہو کے ناچتے پھرتے تھے مور
کوہساروں میں چکوروں نے مچا رکھا تھا شور
ڈھل کے پہونچا تھا اُفق کے آسماں تک آفتاب
تھی شفق کی اس کے منہ پر ایک نارنجی نقاب

یہ نظر آرا مناظر تھے کچھ ایسے دلفریب
ہاتھ سے جاتا رہا دل میرے اور دل کے شکیب
عالم از خود رفتگی کا مجھ پہ طاری ہو گیا
جوش مستی کا مری ہر رگ میں ساری ہو گیا

### ❖ مشکل الفاظ کے معنی

وردی : فوجی لباس

بانات : ایک قسم کا موٹا گرم اونی کپڑا

چشمک زنی: طعنہ زنی کرنا۔طنز کرنا

خیرہ : متحیر۔تاریک

درناسفتہ : بغیر سوراخ کے موتی

قلزم : نہایت گہرا سمندر

سائباں : سایہ۔دھوپ یا بارش سے بچنے کے لیے انتظام

کلیلیں : خوشی سے اچھلنا کودنا

اُفق : آسمان کا کنارا

شفق : صبح وشام کو آسمان پر چھانے والی سرخی

شکیب : صبر۔برداشت

رفتگی : بے حواسی۔بے خودی

## ❖ نظم کا خلاصہ

ظفر علی خاں (1873-1956) اُردو کے مشہور صحافی اور شاعر گذرے ہیں۔ ان کی ایک مشہور نظم ''بارش'' ہے جس میں انہوں نے بڑے خوبصورت انداز میں بارش کے وقت کا منظر بیان کیا ہے۔ چنانچہ ظفر علی خان نظم کے آغاز میں کہتے ہیں کہ موسم برسات میں ابر چھایا ہوا تھا۔ بارش کے سبب زمین پر ہریالی اُگ آئی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ زمین نے سبز وردی پہن لی ہو۔ کالے بادلوں کے سبب سورج چھپ گیا تھا۔ بارش سے قبل جب بادلوں میں بجلیاں چمکنے لگیں تو ان کی چمک سے آنکھیں بند ہونے لگیں۔ بجلیوں کی چمک کے بعد سیاہ بادلوں سے بارش ہونے لگی۔ بارش کا منظر ایسا تھا جیسے آسمان سے چھوٹے چھوٹے سفید موتی برس رہے ہوں۔ بارش کے سبب نکلنے والے ندی نالے بہہ کر سمندر کی طرح پھیلنے لگے۔ کچھ دیر تیز بارش ہوئی' اس کے بعد آسمان صاف ہوگیا۔ بارش رک گئی۔ بارش کے سبب زمین پر جو دھول اور گرد کی چادر تھی وہ سب صاف ہوگئی۔ شام کے وقت بادل دور ہٹتے ہی سورج پھر سے بادلوں کے پیچھے سے نمودار ہوا۔ اور بارش کے قطروں کی موجودگی کے سبب آسمان پر دوسری جانب خوبصورت قوس قزح بن گئی۔ ہر طرف موسم خوشگوار ہوگیا۔ پرندے اور جانور بارش کے بعد خوشی کی آوازیں نکالتے ہوئے جھومنے لگے۔ جنگل میں مور مست ہوکر ناچ رہے تھے۔ اور چکور پہاڑوں میں آوازیں کررہے تھے۔ شام ڈھلتے ہی سورج غروب ہونے لگا اور جانب مغرب آسمان

پر سرخی چھا گئی۔ بارش سے قبل اور بارش کے بعد کے خوبصورت مناظر لوگوں کے دلوں کو خوش کرنے لگے۔ ان مناظر کو دیکھ کر شاعر بھی خوشی سے جھوم اٹھا اور کہنے لگا کہ اس کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے اور وہ بھی موسم کی مستی میں جھوم رہا ہے۔ شاعر اور دیگر لوگوں پر بارش کے سبب مستی چھا گئی اور سب لوگ اس موسم کا مزہ اٹھانے لگے۔

❖ مرکزی خیال

ظفر علی خان نے موسم برسات میں بادل کے گھر آنے، بارش ہونے اور اس کے بعد کے خوشگوار مناظر کو بیان کیا ہے اور اس منظر نگاری میں نظم پڑھنے والوں کو بھی شامل کیا ہے۔

I. مختصر سوالات

سوال (1) ظفر علی خاں کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

جواب: ظفر علی خاں 19 / جنوری 1873ء کو سیالکوٹ پنجاب میں پیدا ہوئے۔

سوال (2) ظفر علی خاں کو جیل کیوں جانا پڑا؟

جواب: انگریز حکومت کے خلاف بے باک تقریریں کرنے اور لکھنے کی وجہ سے ظفر علی خاں کو جیل جانا پڑا۔

سوال(3) ظفر علی خاں نے کونسا اخبار نکالا تھا۔اور اس میں کیسے مضامین شائع ہوتے تھے۔

جواب: ظفر علی خاں نے ''زمیندار'' نامی اخبار نکالا تھا۔اس میں سیاست' مذہب' معاشرت' تہذیب' تاریخ وغیرہ پر مضامین شائع ہوتے تھے۔

## II. طویل سوالات

سوال(1) ظفر علی خاں پر ایک نوٹ لکھئے۔

جواب (شاعر کا تعارف دیکھ کر لکھیں)

سوال(2) نظم بارش کا خلاصہ لکھئے۔

جواب: (نظم ''بارش'' کا خلاصہ دیکھ کر لکھیں)



# 2 گلزارِ وطن

## سرورؔ جہاں آبادی

## شاعر کا تعارف

منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی (1873-1910) اردو نظم کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ جہاں آباد ضلع پیلی بھیت میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم پیارے لال تھے۔ درگا سہائے کی ابتدائی تعلیم قصبے کے اسکول میں ہوئی۔ شاعری کا شوق بھی اسی وقت ہوا۔ 1899ء سے ان کا کلام ادبی رسائل میں شائع ہو کر مقبول ہونے لگا۔ سرور کا کم عمری میں 3/ ڈسمبر 1910ء کو انتقال ہوا۔

درگا سہائے نے پہلے وحشت اور پھر سرور تخلص اختیار کیا۔ وہ اپنے عہد کے ممتاز شاعر تھے۔ انہوں نے غزلیں اور نظمیں لکھیں۔ لیکن نظم گو شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ وطن سے محبت ان کی شاعری کا اہم موضوع ہے۔ وطن کے پیڑ پودوں، پھلوں، پھولوں، چرند پرند، ندی نالے اور پہاڑوں کو انہوں نے اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ ان کی نظموں میں صداقت، سادگی اور جوش پایا جاتا ہے۔ انہوں نے دلچسپ تراکیب بھی استعمال کیں۔ ان کی شاعری کے دو مجموعے ''خمخانہ سرور'' اور ''جام سرور'' شائع ہوئے۔ نصابی کتاب میں ان کی نظم ''گلزار وطن'' شامل کی گئی ہے۔ نظم اس طرح ہے۔

# نظم ''گلزار وطن''

پھولوں کا کنج دل کش بھارت میں اک بنائیں
حب وطن کے پودے اس میں نئے لگائیں
پھولوں میں جس چمن کے ہو بوئے جاں نثاری
حب وطن کی قلمیں ہم اس چمن سے لائیں
خون جگر سے سینچیں ہر نخل آرزو کو
اشکوں سے بیل بوٹوں کی آبرو بڑھائیں
ایک ایک گل میں پھونکیں روح شمیم وحدت
اک اک کلی کو دل کے دامن سے دیں ہوائیں
فردوس کا نمونہ اپنا ہو کنج دل کش
سارے جہاں کی جس میں ہوں جلوہ گر فضائیں
چھایا ہو ابر رحمت کاشانہ چمن میں
رم جھم برس رہی ہوں چاروں طرف گھٹائیں
مرغان باغ بن کر اڑتے پھریں ہوا میں
نغمے ہوں روح افزا اور دل ربا صدائیں
حب وطن کے لب پر ہوں جاں فزا ترانے

شاخوں پہ گیت گائیں پھولوں پہ چہچہائیں
چھائی ہوئی گھٹا ہو موسم طرب فزا ہو
جھونکے چلیں ہوا کے اشجار لہلہائیں
اس کنج دل نشیں میں قبضہ نہ ہو خزاں کا
جو ہو گلوں کا تختہ تختہ ہو اک جناں کا
بلبل کو ہو چمن میں صیاد کا نہ کھٹکا
خوش خوش ہو شاخ گل پر غم ہو نہ آشیاں کا
حب وطن کا مل کر سب ایک راگ گائیں
لہجہ جدا ہو گرچہ مرغان نغمہ خواں کا
ایک ایک لفظ میں ہو تاثیر بوئے الفت
انداز دل نشیں ہو ایک ایک داستاں کا
مرغان باغ کا ہو اس شاخ پر نشیمن
پہنچے نہ ہاتھ جس تک صیاد آسماں کا
موسم ہو جوش گل کا اور دن بہار کے ہوں
عالم عجیب دل کش ہو اپنے گلستاں کا
مل مل کے ہم ترانے حب وطن کے گائیں
بلبل ہیں جس چمن کے گیت اس چمن کے گائیں

## ❖ مشکل الفاظ کے معنی

| | | |
|---|---|---|
| حب وطن | : | وطن کی محبت |
| قلمیں | : | قلم کی جمع |
| خون جگر | : | جگر کا خون۔کافی محنت سے |
| نخل | : | درخت۔کھجور کا درخت |
| اشک | : | آنسو |
| آبرو | : | عزت۔عصمت |
| فردوس | : | باغ۔جنت |
| مرغان باغ | : | باغ کے پرندے |
| اشجار | : | شجر کی جمع۔درخت |
| خزاں | : | پت جھڑ۔بے رونق |
| صیاد | : | شکاری |
| کھٹکا | : | خوف۔ڈر۔اندیشہ |
| آشیاں۔نشیمن | : | گھونسلا |

## ❖ خلاصہ نظم

منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی (1873-1910) اردو نظم کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔انہوں نے اپنی نظم ''گلزار وطن'' میں لوگوں کو وطن سے پیار کرنے اور

اس کی خوبصورتی کو بڑھانے کے لیے مل کر کام کرنے کا پیغام دیا ہے۔ سرور جہاں آبادی نظم کے پہلے بند میں کہتے ہیں کہ اے ہندوستان والو آؤ ہم سب مل کر ہمارے خوبصورت وطن ہندوستان میں قومی یکجہتی کا ایک گلدستہ تیار کریں جہاں تمام مذاہب اور تمام تہذیبوں کے لوگ ایک خوبصورت چمن کی طرح مل کر رہیں۔ انہوں نے وطن میں وطن کی محبت کا جذبہ پیدا کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے ہندوستان کو ایک خوبصورت باغ سے تشبیہ دی ہے اور اہل ہند کو پھول کہا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں کے پھول جیسے لوگوں میں وطن کی خاطر جان نثار کرنے کا جذبہ ہو۔ ہم اپنے وطن میں حب وطن کے پیڑ پودے لگائیں۔ یعنی لوگوں میں وطن سے محبت کے جذبے کو پروان چڑھائیں۔ اس وطن کی تعمیر کے لیے ہمیں اپنا خون پسینہ ایک کرنا ہے۔ جس طرح پودوں کو پانی دیا جاتا ہے اسی طرح وطن کی خاطر ہم اپنا پسینہ بہائیں گے۔ لوگوں میں آپسی اتحاد کو پروان چڑھائیں گے اور لوگوں کے دلوں میں پیار محبت اور بھائی چارے کے جذبے کو پروان چڑھائیں گے۔ اگر ہم مل جل کر خوش رہیں تو ہمارا وطن اس زمین پر جنت کا نمونہ بن جائے گا جہاں ہر طرف خوشحالی چین وسکون ہوگا۔ اور سارے جہاں کے لوگوں کا یہ ایک حسین گلدستہ بن جائے گا۔ اگر لوگوں میں پیار محبت ہو تو یہاں کے موسموں سے لوگ لطف اندوز ہوں گے۔ بارش کے موقع پر ہر طرف رونق رہے گی۔ یہاں کے چرند پرند خوشی سے جھومنے لگیں گے۔ اور ان کی دلوں کو چھو لینے والی آوازوں سے ساری فضا گونج اٹھے گی۔ ہر طرف وطن کی محبت کے نغمے گائے جائیں گے اور ہمارا وطن ایک گلزار بن جائے گا۔ جس میں ہر طرف خوشی و

مسرت کی ہوائیں چلتی ہوں۔

نظم کے دوسرے بند میں شاعر اس امید کا اظہار کرتا ہے کہ ایک چمن جیسے خوبصورت وطن میں کبھی خزاں نہ آئے کبھی لوگوں کا اتحاد نہ ٹوٹے۔کبھی لوگوں کے آپسی بھائی چارے میں کمی نہ آئے۔ یہاں کے پھول ہمیشہ شاداب رہیں۔ یہاں کے انسانوں اور پرندوں کو کبھی غلامی کی مشکلیں نہ جھیلنی پڑیں۔انسان اور حیوان سب خوشی کا گیت گائیں۔ پرندے اپنے گھونسلوں میں محفوظ رہیں انسان اپنے گھروں میں آباد رہیں۔ دونوں اپنی اپنی آوازوں میں خوشی کے گیت گاتے رہیں۔ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے خوبصورت وطن میں ہمیشہ خوشیوں کی بہار قائم رہے۔ہم اس وطن کے بلبل ہیں اور آپس میں مل کر اس وطن کے ترانے گاتے ہیں۔اس طرح شاعر نے تشبیہات استعمال کرتے ہوئے ہندوستان کو ایک خوبصورت گلدستے سے تشبیہ دی ہے۔

❖ مرکزی خیال

سرورؔ جہاں آبادی نے نظم ''گلزار وطن'' میں ہندوستان کو ایک خوبصورت باغ سے تشبیہ دی ہے اور یہاں رہنے والے لوگوں کو پھول کہا ہے۔شاعر نے باغ سے متعلق تشبیہات کو استعمال کرتے ہوئے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ یہاں مختلف تہذیبوں کے لوگ ایک گلدستے کے خوبصورت پھولوں کی طرح مل جل کر رہیں۔ جب آپسی اتحاد برقرار رہے گا تو چمن کی خوبصورتی اور بہار قائم رہے گی۔ سرور جہاں آبادی کی یہ نظم ہر زمانے میں ہندوستان کی قومی یکجہتی کو واضح کرتی ہے۔

I. مختصر سوالات۔صرف ایک لفظ یا جملے میں جواب لکھئے۔

سوال(1) شاعر سرورؔ جہاں آبادی کا اصل نام کیا ہے۔

جواب: درگا سہائے۔

سوال(2) شاعر کسے فردوس کا نمونہ بنانا چاہتا ہے۔

جواب: وطن کو۔

سوال(3) شاعر حب وطن کا راگ کس طرح گانا چاہتا ہے؟

جواب: وطن کو قومی یکجہتی کا گلدستہ بناتے ہوئے اس میں حب وطن کے گیت گائے جائیں۔

سوال (4) شاعر سرورؔ جہاں آبادی کی پیدائش کب ہوئی؟

جواب: 1873ء پیلی بھیت۔

II. مختصر سوالات۔دو یا تین جملوں میں جواب لکھئے۔

سوال(1) سرورؔ جہاں آبادی کی نظموں کے مجموعوں کے بارے میں بتائیں۔

جواب: سرورؔ جہاں آبادی کی شاعری کے دو مجموعے شائع ہوئے۔''خمخانہ سرور'' میں صرف نظمیں ہیں۔جب کہ'' جام سرور''میں غزلیں ہیں۔

سوال (2) ''کنج دل کش'' کے معنی کیا ہیں۔اس سے شاعر نے کیا مراد لیا ہے۔

جواب: ''کنج دل کش'' سے مراد درختوں کا جھنڈ ہے۔شاعر ہندوستان کو ایک خوبصورت گلدستہ بنانا چاہتا ہے۔جس میں ہر قسم کے لوگ پھولوں کی طرح خوش رہیں۔

## III. طویل سوالات

سوال (1) سروؔر کی نظم ''گلزار وطن'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

جواب: (جواب کے لیے نظم ''گلزار وطن'' کا خلاصہ پڑھیں۔)

سوال (2) سروؔر کے کلام کی خصوصیات بیان کیجیے۔

جواب: منشی درگا سہائے سرور جہاں آبادی (1873-1910) اردو نظم کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔اردو شاعری کی تاریخ میں نظیؔر کے بعد سرور جہاں آبادی کے یہاں حب الوطنی کا جذبہ نسبتاً زیادہ واضح نظر آتا ہے۔انھوں نے نظم کی تعمیر و ترقی میں ہندوستانی عناصر کو شامل کرنے جیسا اہم اور نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ان کے مجموعہ کلام میں نظموں کے علاوہ رباعیات بھی شامل ہیں جو ہمیں ہندوستانی رنگ میں رنگی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔یہ نظمیں اور رباعیات ہندوستان کے سیاسی، سماجی، اقتصادی، تاریخی اور تہذیبی نظریات کی ترجمان و عکاس ہیں۔سرور کی نظموں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے عہد کا ہندوستان سیاسی، سماجی اور اقتصادی بحران کا شکار تھا۔ملک ایسے موڑ پر کھڑا تھا

جہاں حب الوطنی کے جذبے کو ابھارنے کی اشد ضرورت تھی، سرور نے یہ کارنامہ بہ حسن وخوبی انجام دیا۔ سرور کو وطن اور وطن کی ہر شے سے دلی وابستگی ہے۔ نظیر نے اپنی نظموں میں جو ہندوستان پیش کیا تھا سرور کی شاعری میں ایسا ہی ہندوستان ایک بار پھر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ہمارے روبرو دکھائی پڑتا ہے۔ ان کے کلام میں ہر جانب ہندوستان کی تصویر بکھری ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی نظریں ہندوستان کو دلہن کے روپ میں دیکھتی ہیں۔ ان کی پوری شاعری میں ہندوستان پر شباب برستا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے ہر شے کی تصویر اتنی عمدگی سے پیش کی ہے کہ اس کی مثال بعد کے شعرا میں جوش کے سوا کسی اور کے یہاں نظر نہیں آتی۔ سرور کے یہاں حب الوطنی عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ انھیں وطن کے ذرّے ذرّے سے بے تحاشہ لگاؤ ہے۔ وطن کی محبت ان کے دل کے نہاں خانوں میں گہرائی سے رچی اور بسی ہوئی ہے۔ وطن سے متعلق سرور نے جو نظمیں کہی ہیں ان میں موضوعات کی وسعت اور ہمہ گیری کے ساتھ دلکشی اور رعنائی کی جھلک بھی ملتی ہے۔ سرور کے ذریعے اردو شاعری میں پہلے پہل ایسے موضوعات پر طبع آزمائی کی گئی جو اردو شاعری کے لیے بالکل نئے اور اچھوتے تھے۔ گنگا، جمنا، پریاگ کا سنگم، نور جہاں، پدمنی، بیر بہوٹی، گلِ فردوس، لکشمی جی، سیتا جی کی گریہ وزاری، پھولوں کا کنج، مہاراجہ دشرتھ کی بے قراری، نسیم سحر، فضائے برشگال، عروسِ برشگال، شفق شام، بھنورے کی بیقراری جیسے مضامین کو اردو میں سب سے پہلے متعارف کرانے کا سہرا سرور کے سر ہے۔ ان موضوعات کی اہم بات یہ ہے کہ ان سے متعلق نظموں کی فضا اور رنگ خالص ہندوستانی

ہے۔سرور کے عہد کا ہندوستان تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔اس شکست و ریخت اور پر آشوب عہد میں ہندوستانی قوم میں بیداری کی غرض سے سرور نے انہیں ملک کی عظمتِ پارینہ کی داستانیں سنائیں اور وطن کی عظمت کے نغمے گائے۔اسلاف کے کارناموں کا ذکر ان کی نظموں میں بڑے موثر اور دلنشیں انداز میں ملتا ہے۔ان کی نظموں کو دیکھ کر یہ کہنا بجا معلوم ہوتا ہے کہ سرور کی نظمیں ہندوستان کی عظمت کی تاریخ اور عظیم ہندوستانیوں کی داستان ہیں۔سرور کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے شاعری کے ذریعے عوام کے دلوں میں بغاوت کا جذبہ پیدا کرنے کی بجائے ان کے دلوں میں محبت کا جذبہ بیدار کیا۔مزاج میں شرافت اور سادگی کی وجہ سے انقلاب کا نعرہ بلند کرنے کی بجائے انھیں مصلحت پسندی پر آمادہ کیا۔ احتجاج کے بجائے دلوں میں مادر وطن کی عظمت کا احساس پیدا کیا۔قومی اتحاد اور آپسی محبت کا درس دیا۔آزاد ہندوستان کا ایسا واضح اور دل خوش تصور پیش کیا جو دوسرے کسی اور شاعر کے یہاں قطعی نظر نہیں آتا۔قومی اور وطنی شاعری کے لیے فکر و نظر کی جو گہرائی، تخیل کی جو بلند پروازی، جذبات کی جو آہنگی اور فطرت سے جس قدر وابستگی درکار ہے سرور کی وطنی شاعری ان تمام خوبیوں سے مالا مال ہے، نظمیہ شاعری جن حسین جذبوں اور خوبصورت احساسات سے عبارت ہے سرور کی شاعری میں وہ تمام اوصاف و عوامل پوری طرح پائے جاتے ہیں۔



# 3 اجنبی

اخترؔ الایمان

# شاعر کا تعارف

اخترؔ الایمان (1915-1996) اردو نظم کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ 1915ء کو اتر پردیش کے موضع قلعہ میں پیدا ہوئے۔ جو نجیب آباد ضلع بجنور میں ہے۔ ان کا بچپن اتر پردیش اور پنجاب کے کھیتوں میں گزرا۔ ان کا خاندان مذہبی اور مولویوں کا تھا۔ چنانچہ ان کی ابتدائی تعلیم مذہبی بنیاد پر ہوئی۔ 1930 سے انگریزی تعلیم حاصل کی۔ اینگلو عربک دلی کالج سے بی اے کامیاب کیا۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم اے میں پہلے سال کی تعلیم تکمیل کی۔ اس کا بعد پڑھائی کا سلسلہ چھوڑ دیا۔ ان کی ادبی زندگی کا آغاز 1932ء سے ہوتا ہے۔ شروع میں انہوں نے افسانے لکھے۔ بعد میں شاعری کا سلسلہ شروع کردیا۔ ابتداء میں غزل گوئی کی لیکن بعد میں وہ نظم کے شاعر کے طور پر مشہور ہوئے۔

اخترالایمان کی نظموں کا پہلا مجموعہ ''گرداب'' کے نام سے شائع ہوا۔ 1949ء میں ''سب رنگ'' کے نام سے منظوم طنزیہ ڈرامہ شائع کیا۔ نظموں کا دوسرا مجموعہ ''تاریک سیارہ'' کے نام سے 1946ء میں شائع کیا۔ ان کی شاعری کے دیگر مجموعے ''آب جو'، یادیں'، بنت لمحات'، نیا آہنگ'، زمین زمین' اور کلیات ''سروساماں'' ہیں۔ وہ فلمی

دنیا سے بھی وابستہ رہے۔اپنی آپ بیتی ''اس آباد خرابے میں'' کے عنوان سے لکھی۔ انہوں نے بے شمار ممالک کا سفر کیا۔1961ء میں ان کے مجموعہ ''یادیں'' پر انہیں ساہتیہ اکیڈیمی ایوارڈ ملا۔اس کے علاوہ مہاراشٹرا اردو اکیڈیمی سے بھی انہیں ایوارڈ ملا۔

اختر الایمان کا انتقال 9/ مارچ 1996ء کو ممبئی میں ہوا۔

## نظم اجنبی

تو ہے کچی کونپل اب تک جس کے لوچ میں پیار ہی پیار
اور میں گرمی سردی چکھے ڈالی پر اک تنہا پات
تو سچا موتی میں ہیرا پھرا جو برسوں ہاتھوں ہات
تو اوشا کی پہلی کرن ہے اور میں جیسے بھیگی رات
تو تاروں کے نور کی دھارا میں گہرا نیلا آکاش
میں ہوں جیسے ٹوٹا نشہ، تو ہے شاخ نبات
تو ہے ایک ایسی شہنائی جس کی دھن پر ناچے موت
تیری دنیا جیت ہی جیت ہے میری دنیا؟ چھوڑ یہ بات
تو ہے ایک پہیلی جس کو بوجھے وہ جان سے جائے
تو ہے ایسی مٹی جس سے لاکھوں پھول چڑھیں پروان

آ میں تیرا انگ بھی چھو دوں، چھوڑ یہ بھید اور بھاؤ کی بات
میں نے وہ سرحد چھولی ہے جہاں امر ہو جائیں پران
اے آنکھوں میں کھبنے والی جانے کون کہاں رہ جائے
جیون کی اس دوڑ میں پگلی ہم دونوں ہیں آج انجان
لیکن اے سپنوں کی مایا تو چاہے تو روگ مٹیں
میں نے دنیا دیکھی ہے تو میری باتیں جھوٹ نہ جان
جیون کی اس دوڑ میں ناداں یاد اگر کچھ رہتا ہے
دو آنسو، اک دبی ہنسی، دو روحوں کی پہلی پہچان

## ❖ مشکل الفاظ کے معنی

| | | |
|---|---|---|
| کونپل | : | ڈالی |
| پات | : | پتا |
| آکاش | : | آسمان |
| شاخ نبات | : | مصری کی ڈلی۔پودے کی شاخ |
| پروان | : | بڑا ہونا |
| کھبنے | : | سما جانا |
| جیون | : | زندگی |
| ناداں | : | ناسمجھ |

## ❖ خلاصہ نظم

اختر الایمان (1915-1996) اردو نظم کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔انہوں نے اپنی شاعری میں اپنے خوشگوار ماضی کو یاد کیا ہے۔نظم اجنبی میں وہ اپنے محبوب کو یاد کرتے ہیں جو ان کا شاندار ماضی تھا۔زندگی کی خوشیاں تھیں جو انسان کو میسر نہیں آتیں۔چنانچہ نظم ''اجنبی'' میں وہ اپنے ان دیکھے محبوب اور خوشی کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے محبوب تو ایک پودے کی ڈالی کی طرح کچی کونپل ہے۔جس میں پیار ہی پیار چھپا ہوا ہے۔میں دنیا کے حادثات گرم وسرد سہتے ہوئے ایک تنہا پتے کی طرح اکیلا انسان ہوں۔جسے پیڑ کی چھاؤں اور زندگی کی حقیقی مسرتوں کا انتظار ہے۔اجنبی کو خطاب کرتے ہوئے شاعر اختر الایمان کہتے ہیں کہ تو سچا موتی ہے جب کہ میں برسوں لوگوں کے ہاتھوں میں رہ کر متاثر رہا ہوں۔وہ اپنے محبوب سے تقابل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا محبوب اجنبی امید کی کرن ہے جب کہ میں بھیگی رات کی طرح ہوں۔تو تاروں کا نور ہے جب کہ میں نیلا آسمان۔میں ایک ختم ہوتا نشہ سا ہوں جب کہ میرا محبوب مصری کی ڈلی کی طرح میٹھا اور پودے کی ڈالی کی طرح نازک ہے۔تو ایک شہنائی ہے جس پر موت بھی ناچنے لگے۔شاعر کو احساس ہے کہ اس کا ماضی اس کا محبوب اجنبی شخص ہمیشہ کامیاب رہتا ہے جب کہ میں زندگی کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔شاعر مزید کہتا ہے کہ تو ایک پہیلی ہے جسے کوئی نہیں جان سکتا۔البتہ تو ایک ایسی مٹی ہے جس میں زرخیزی ہے اور کئی پھول کے پودے اس پر اُگ سکتے ہیں یعنی تو لوگوں کی زندگیوں میں خوشیاں لا سکتی ہے۔میں چاہتا ہوں کہ

خوشی کسی کو ملے کسی کو نہ ملے یہ تفریق نہیں ہونی چاہئے۔ میں حادثات کی اس منزل پر ہوں جہاں زندگی امر ہو جاتی ہے۔ تیری یاد ہمیشہ آنکھوں میں چھائی رہتی ہے۔ لیکن زندگی کی اس دوڑ میں ہم ابھی تک اجنبی ہیں۔ لیکن اے سپنوں کی رانی اگر تو مجھے مل جائے تو زندگی میں خوشی آجائے۔ میں نے دنیا دیکھی ہے اچھے برے کا تجربہ رکھتا ہوں اس لیے کہتا ہوں کہ زندگی میں حقیقی مسرت آجائے تو سب اچھا ہو جائے۔ زندگی کی اس دوڑ میں ہم بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں لیکن جو باتیں یاد رہ جاتی ہیں ان میں مشکل وقت کے دو آنسو، خوشی کے وقت کی ہنسی اور اجنبی سے دوستی شامل ہیں۔

❖ مرکزی خیال

اختر الایمان نے نظم میں خواب اور حقیقت کی کشمکش بیان کی ہے۔
اختر الایمان کا بچپن گاؤں میں کھیت کھلیانوں میں گزرا تھا۔ بعد میں انہوں نے اپنی شاعری میں اپنے بچپن کی یادوں کو بے ساختگی سے دہرایا ہے۔ چنانچہ اس نظم ''اجنبی'' میں بھی وہ ماضی کی خوشیوں کو یاد کرتے ہیں۔ اور مختلف تشبیہوں سے اسے یاد کرتے ہیں۔ اس اجنبی کے ساتھ انہوں نے اپنا تقابل کیا ہے جو ہندوستان کی جدوجہد آزادی کے زمانے میں مشکلات سے دوچار تھے۔ یہ نظم تمام ہندوستانیوں کے جذبات کا اظہار کرتی ہے جو ایک اجنبی خوشی کے انتظار میں زندگی آس اور امید میں گزار رہے تھے۔

I. مختصر سوالات۔صرف ایک لفظ یا جملے میں جواب لکھیئے۔

سوال(1) نظم ''اجنبی'' کس نے لکھی۔

جواب: اختر الایمان۔

سوال(2) اختر الایمان کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟

جواب: 12/نومبر 1915 موضع قلعہ نجیب آباد ضلع پیلی بھیت۔

سوال(3) اختر الایمان کی خودنوشت کا نام کیا ہے؟

جواب: اس آباد خرابے میں۔

سوال(4) اختر الایمان کے کونسے مجموعے کو ساہتیہ اکیڈیمی کا ایوارڈ ملا۔

جواب: ''یادیں''۔

سوال(5) اختر الایمان کی وفات کب اور کہاں ہوئی؟

جواب: 9/ مارچ 1996 ممبئی۔

II. مختصر سوالات: دو یا تین جملوں میں جواب لکھئے۔

سوال(1) اختر الایمان کے شعری مجموعوں کے نام بتائیں۔

جواب: اختر الایمان کی نظموں کا پہلا مجموعہ ''گرداب'' کے نام سے شائع ہوا۔1949ء

میں ''سب رنگ'' کے نام سے منظوم طنزیہ ڈرامہ شائع کیا۔نظموں کا دوسرا مجموعہ ''تاریک سیارہ'' کے نام سے 1946ء میں شائع کیا۔ان کی شاعری کے دیگر مجموعے ''آب جو' یادیں' بنت لمحات' نیا آہنگ' زمین زمین' اور کلیات ''سروساماں'' ہیں۔

سوال(2) اخترالایمان نے کس کی جانب اجنبی کا خیال ظاہر کیا ہے؟

جواب: اخترالایمان نے اپنے شاندار ماضی اور زندگی سے دور خوشیوں کو اجنبی قرار دیا ہے۔اور اس جانب نظم میں اشارہ کیا ہے۔

III. طویل سوالات

سوال (1) نظم ''اجنبی'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

جواب: (جواب کے لیے نظم کا خلاصہ دیکھیں)

سوال(2) اخترالایمان کے بارے میں ایک نوٹ لکھئے۔

جواب: اخترالایمان (1996-1915) اردو نظم کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ان کے کلام میں اپنے دور کے واقعات وحادثات کا خوبصورت استعاراتی بیان ہے۔جدید دور کی بیشتر علامتوں کے ذریعے انھوں نے اپنی نظموں کو مزید تہہ داری بخشی ہے، جیسے ماضی کی مٹتی ہوئی قدریں، بے بسی ومحرومی، اداسی واحساس بیگانگی وغیرہ کو انھوں نے اپنی نظموں کا موضوع بنایا ہے۔ماضی ان کی بہت سی نظموں کا موضوع ہے۔اپنے ماضی کو یاد کرتے ہوئے وہ اس کی خوبصورت منظر کشی کرتے ہیں اخترالایمان کے ذہن وقلب میں ماضی

زندہ و تابندہ ہے۔ان کی شاعری میں یادوں کا سایہ ہے جوان کو مسلسل اضطراب میں مبتلا رکھتا ہے۔یہ امر فطری ہے کہ جب انسان کا ماضی اس کے حال سے زیادہ خوشگوار ہوتا ہے تو وہ ماضی کی یادوں میں کھویا رہتا ہے اوراس کو پھر سے جینے کی تمنا رکھتا ہے۔وہ ماضی کی بہترین یادوں کو ہی یاد رکھتا ہے اور حال میں اس کے پہلو بہ پہلو چلتا ہے۔ماضی میں جو پیار، محبت، رشتوں کی اہمیت، انسان کی اہمیت، جذبات کی اہمیت، صداقت وخلوص تھا وہ حال کی اس بے رحم و بے وفا دنیا میں کھوسا گیا ہے۔اختر الایمان کی نظموں کا خاص موضوع اقدار ہے۔موجودہ دور میں اقدار کی شکست کی بدولت زندگی کی ہر شے میں بے بسی و مایوسی پیدا ہوگئی ہے۔اس کو شاعر نے شدت سے محسوس کیا اور اپنی نظموں میں اس کو پیش بھی کیا۔ 'مسجد'، 'موت'، 'پرانی فصیل'، 'قلوپطرہ، ایک لڑکا' وغیرہ ان کے ماضی پر لکھی گئی بہترین نظمیں ہیں۔ان میں اختر الایمان نے ماضی کی مٹتی ہوئے اقدار کا بیان ایک مجبور و بے بس تماشائی کی طرح کیا ہے۔جس کی بدولت ایک کرب جنم لے لیتا ہے۔اور یہ کرب ان کو مضطرب کیے رہتا ہے۔اختر الایمان اپنی شاعری کو روحِ انسانی کے کرب سے تعبیر کرتے ہیں۔اصل میں ان کی شاعری انسان کی داخلی کیفیت کا المیہ ہے، جو اس متبدل زمانے میں بے بسی و بے حسی کا شکار ہو چکا ہے۔پرانی تہذیب اس جدید دور میں کہیں کھو سی گئی ہے۔قدیم تہذیب کے نقش شاعر اپنے زمانے میں ڈھونڈتا ہے کہ کاش وہ تہذیب پھر سے پیدا ہو جائے۔اختر الایمان کی شاعری دنیا کی بدلتی ہوئی سماجی و سیاسی اقدار کی غماز ہے۔بلکہ یہ کہنے میں کیا تامل کیا جائے کہ انھوں نے اپنے ماحول کی بہترین عکاسی کی

ہے، جس کی بدولت وہ معاصر شعرا میں ممتاز ہیں۔ اختر الایمان کے یہاں ماضی کی باز آفرینی مختلف اشکال میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ کہیں علامتی لب ولہجہ میں اور کہیں طنزیہ اسلوب میں۔ یہی سبب ہے کہ ماضی کی مٹتی ہوئی قدروں کو پیش کرتے ہوئے اختر الایمان کی نظموں میں طنز کا عنصر غالب آ جاتا ہے۔ انھوں نے اپنے دور کے تضادات اور تلخی کو محسوس کیا ہے۔ لوگ اپنی زمین اور اپنوں کو چھوڑ کر بڑے شہروں کی پرفریب دنیا کی جانب سفر کر رہے ہیں۔ اختر الایمان بڑے شہروں کی بے ثباتی کے ساتھ چھوٹے شہروں اور گاؤں کی معصوم وسادہ زندگی کو یاد کرتے ہیں۔ ان بڑے شہروں میں انسان کی تنہائی، اجنبی ماحول اور افراتفری کو طنزیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اختر الایمان کی شاعری میں ماضی اور حال کا تصادم نظر آتا ہے۔ وہ ماضی کے خوشگوار لمحوں کو حال پر فوقیت دیتے ہیں۔ ماضی کی یادوں کو بیان کرتے ہوئے انھوں نے اپنی نظموں میں گزرے ہوئے وقت کا تماشا دکھایا ہے۔ جگہ جگہ شاعر نے ماضی کے گزر جانے کا المیہ اور مستقبل میں ماضی کی اقدار کو پھر سے قائم کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے۔ اختر الایمان کو جذبات، احساسات اور کیفیات کے ختم ہونے کا بے حد افسوس ہے۔ انھوں نے اپنی پوری شاعری میں اسی درد وغم کو استعاراتی اور علامتی انداز میں پیش کیا۔ گزرتے ہوئے وقت نے شاعر سے اس کے خوشگوار ماضی کے ساتھ اس کا سب کچھ چھین لیا ہے اب وہ تنہائی و بے بسی اور ماضی کی یادوں کے سہارے اپنی باقی زندگی گزار رہا ہے۔ الغرض اختر الایمان کی شاعری کا مختصر جائزہ لینے کے بعد ان کی شاعری میں ماضی کا رنگ دیکھا جا سکتا ہے۔

# حصہ غزل

## غزل کی تعریف

غزل اردو شاعری کی مقبول اور پسندیدہ صنف ہے۔لغت میں غزل کے معنی عورتوں سے باتیں کرنے کے ہیں۔لیکن شاعری کی اصطلاح میں غزل ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں جُدا جُدا اشعار میں زندگی کے مختلف موضوعات جیسے عشق،تصوف،غم،خوشی اور زندگی کے تمام مسائل بیان کیئے جاتے ہیں۔غزل کو کوزے میں سمندر بند کرنے کا فن کہتے ہیں۔غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہم ردیف ہوتے ہیں۔غزل کے دیگر اشعار میں دوسرے مصرعے میں قافیہ اور ردیف کی پابندی ہوتے ہے۔غزل میں طاق اعداد میں 5 یا اس سے زیادہ اشعار ہوتے ہیں۔غزل میں اگر دو اشعار میں ایک ہی خیال پیش کیا جائے تو اسے ''قطعہ'' کہتے ہیں۔غزل کے اچھے شعر کو ''شاہ بیت'' یا حاصل غزل شعر کہتے ہیں۔غزل کے آخری شعر کو جس کے ذریعہ شاعر اپنی بات ختم کرتا ہے مقطع کہتے ہیں۔عام طور پر شاعر غزل کے آخری شعر میں اپنا مختصر قلمی نام استعمال کرتا ہے۔اسے تخلص کہتے ہیں۔تخلص کے اوپر بط ( ‾ ) نشانی لگائی جاتی ہے۔جیسے میرؔ،حالیؔ،غالبؔ وغیرہ۔

اردو میں فارسی کے اثر سے غزل کا آغاز ہوا۔قلی قطب شاہ، ولؔی، میرؔ، غالبؔ، آتشؔ، ناسخؔ، مصحفؔی، انشاؔ، مومنؔ، حسرتؔ، دردؔ، فراقؔ، ناصرؔ کاظمی وغیرہ اردو کے مشہور غزل گو شاعر گذرے ہیں۔

### ❖ مطلع

لفظِ مطلع طلوع سے بنا ہے۔جس کے معنی ظاہر ہونا یا نکلنے کے ہیں۔شاعری کی اصطلاح میں جس شعر سے غزل شروع ہوتی ہے یعنی غزل کے پہلے شعر کو مطلع کہتے ہیں۔مطلع کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہم ردیف ہوتے ہیں۔نصابی کتاب میں مومنؔ کی غزل کا مطلع یوں ہے۔

؎ اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا رنج راحت فزا نہیں ہوتا

اس مطلع میں ''ذرا۔فزا'' قافیے ہیں، جب کہ ردیف ''نہیں ہوتا'' ہے۔

### ❖ قافیہ

غزل کے مطلع کے دونوں مصرعوں اور باقی اشعار کے دوسرے مصرعے میں ردیف سے قبل استعمال ہونے والے ہم وزن لفظ یا الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔غزل میں قافیے کا استعمال تغزل اور لے پیدا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔غزل چھوٹی ہو تو اس کے قافیے فطری لگتے ہیں۔زیادہ اشعار کی غزل محض قافیہ پیمائی ہو جاتی ہے۔مومنؔ کی غزل کے قافیے اس طرح ہیں۔ذرا۔فزا۔کیا۔کا۔دوسرا۔خدا

❖ ردیف

غزل کے اشعار میں مطلع کے دونوں مصرعوں اور باقی اشعار میں قافیے کے بعد مسلسل استعمال ہونے والے لفظ یا الفاظ کو ردیف کہتے ہیں۔ نصابی کتاب میں شامل مومؔن کی غزل کی ردیف ''نہیں ہوتا'' ہے۔ غزل میں ردیف ایک ہی ہوتی ہے لیکن قافیے بدلتے رہتے ہیں۔

❖ مقطع

لفظ مقطع قطع سے بنا ہے۔ جس کے معنی چھوڑنا یا ترک کرنے کے ہیں۔ شاعری کی اصطلاح میں غزل کا آخری شعر جس کے ذریعہ شاعر اپنی بات ختم کرتا ہے۔ اسے مقطع کہتے ہیں۔ مقطع میں اکثر شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔ مومؔن کی غزل کا مقطع اس طرح ہے۔

؎ کیوں سنے عرض مضطرب مومؔن  صنم آخر خدا نہیں ہوتا

❖ تخلص

وہ مختصر نام ہے جو شاعر اپنے کلام میں استعمال کرتا ہے اسے تخلص کہتے ہیں۔ بیشتر شعرا اپنے اصلی نام کے بجائے تخلص کی وجہ سے مشہور ہوتے ہیں۔ تخلص کے لئے شاعر کے نام پر ( ؔ ) نشانی لگائی جاتی ہے۔ جسے بط کہتے ہیں۔ چند شعرا کے نام اور تخلص اس طرح ہیں۔ ولی محمد۔ ولؔی، مرزا اسد اللہ خان غالؔب، میر تقی۔ میؔر، شیخ امام بخش۔ ناسؔخ، خواجہ حیدر علی۔ آتؔش، الطاف حسین۔ حاؔلی، میر ببر علی۔ انیؔس، مرزا سلاست علی۔ دبیؔر، شبیر حسن خان۔ جوؔش، رگھوپتی سہائے۔ فراؔق، نواب مرزا خان۔ داغؔ۔

# 4 غزل

## مومنؔ خان مومنؔ

## شاعر کا تعارف

مومن خان مومنؔ (1800-1851) اردو غزل کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حکیم غلام نبی خاں تھا۔ جو حکیم اور عالم دین تھے۔ مومن کے دادا سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں شاہی طبیبوں میں داخل ہوئے اور حکومت سے جاگیر بھی حاصل کی۔ ان کے والد کو شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی سے بہت عقیدت تھی۔ چنانچہ شاہ صاحب موصوف نے ہی مومن خاں نام رکھا۔ مومنؔ بچپن ہی سے ذہین طبع تھے۔ حافظہ بہت اچھا تھا۔ چنانچہ عربی و فارسی، طب، نجوم اور موسیقی میں جلدی کمال حاصل کر لیا۔ مومنؔ نے اس دور کے مشہور عالم شاہ عبدالقادر سے عربی اور اپنے والد سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ ریاضی، علم نجوم، موسیقی اور شطرنج میں مہارت رکھتے تھے۔ دلی سے پانچ مرتبہ باہر نکلے مگر وطن کی محبت نے ہر بار اپنی طرف کھینچ لیا۔ مومنؔ نہایت آزاد مزاج، قانع اور وطن پرست تھے۔ امراء اور روساء کی خوشامد سے انہیں سخت نفرت تھی۔ اس لیے کبھی کسی امیر یا وزیر کی ملازمت یا مصاحبت نہیں کی یہی ان

کے کردار کی ایک نمایاں خصوصیت تھی۔ اصناف شاعری میں قصیدہ، رباعی، واسوخت، غزل، ترکیب بند، مثنوی سبھی پر طبع آزمائی کی ہے۔ مومنؔ کی یادگار ایک دیوان اور چھ مثنویاں ہیں۔ 1851ء میں اپنے کوٹھے سے گر کر وفات پائی۔ اور ان کا مدفن دلی دروازے کے باہر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمت اللہ علیہ کی درگاہ کے پاس ہے۔

مومنؔ غالبؔ کے ہم عصر تھے۔ اور غالب جیسے انفرادیت پسند شاعر مومنؔ کے بڑے قدردان تھے۔ مومنؔ نے غزلوں میں اس دور کے روایتی رنگ کو پیش کیا۔ انہیں زبان و بیان پر عبور تھا۔ رعایت لفظی اور ابہام سے انہوں نے شاعری میں رنگ بھرا۔ اردو غزل میں مومنؔ اہم مقام پر فائز رہے۔

### ❖ اشعار کی تشریح

شعر (1) اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا رنج راحت فزا نہیں ہوتا

حوالہ : یہ شعر مومنؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ یہ غزل کا مطلع ہے۔

تشریح : غزل کے مطلع میں مومنؔ اپنے عشق کے جذبے کو واضح کرتے ہیں کہ وہ اپنے محبوب حقیقی یعنی خدا کو دل و جان سے چاہتے ہیں۔ وہ اپنے محبوب کی نظرِ التفات چاہتے ہیں کہ خدا ان کی طرف دیکھے ان کی مشکلات دور کرے لیکن دعائیں مانگنے اور محبوب کی نظر کرم چاہنے کے باوجود خدا اس عاشق بندے کی طرف نہیں دیکھتا اس لئے اس عاشق بندے کی مشکلات میں کمی واقع نہیں ہوتی اور اس کی راحتوں میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اپنی اس کیفیت کو شاعر مومنؔ نے غزل کے مطلع میں پیش کیا ہے۔ انسان زندگی میں بھی کچھ

حاصل کرنا چاہتا ہے کسی کی مدد کسی کی دوستی کسی کا ساتھ حاصل کرنا چاہتا ہے لیکن جب اس کی پسند اسے حاصل نہ ہو تو اس کے غم میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ انسان کو اگر چاہت کی چیز مل جائے تو اس کی راحتیں بڑھ جاتی ہیں۔ لیکن دنیا کا یہ اصول ہے کہ یہاں اپنی مرضی کی ہر چیز نہیں ملتی اس لئے انسان کی بے چینی برقرار رہتی ہے۔

❖ مرکزی خیال

عاشق بندہ اپنے محبوب حقیقی خدا کی نظر کرم کا طالب ہے۔ لیکن بندے کی طرف خدا کی رحمت متوجہ نہیں ہے اس لئے عاشق بندے کی بے چینی بڑھی ہوئی ہے اور اس کی راحتیں نہیں بڑھ رہی ہیں۔ دنیاوی زندگی میں بندے کی خواہشوں کی تکمیل نہ ہو تو اس طرح کی کیفیت رہتی ہے۔

شعر (2) تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا

حوالہ: یہ شعر مومنؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔

تشریح : غزل کے اس شعر میں مومنؔ نے اپنے عشق کی کیفیت بیان کی ہے۔ ایک سچا عاشق بندہ اپنے محبوب حقیقی خدا سے سوال کرتا ہے کہ اے خدا اگر تو میرا ہو جاتا تو دنیا میں سب کچھ میرا ہو جاتا۔ یہ بات ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ انسان کو زندگی میں طرح طرح کی ضروریات پیش آتی ہیں۔ اور ہماری ہر طرح کی ضروریات کی تکمیل ایک رب اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کرتا ہے۔ ہم اپنی دنیاوی ضروریات کی تکمیل کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں لوگوں کے آگے دست سوال بڑھاتے ہیں لیکن ہماری ضروریات کی تکمیل نہیں ہوتی۔

اگر ہم خدا کے پسندیدہ بندے بن جائیں اس کے بتائے ہوئے طریقے پر زندگی گزارنے لگیں اور خدا ہم سے راضی ہوجائے تو ہماری دنیا و آخرت کی ہر ضرورت کی تکمیل ہوجائے۔ کہا جاتا ہے کہ جسے خدا مل جائے اسے سب کچھ مل جائے۔ اس لئے شاعر کہتا ہے کہ میرا محبوب میرا نہیں ہوا اگر میرا ہوجاتا تو میری دنیا سنور جاتی تھی۔ دنیاوی حالات میں بھی انسان کسی کی مدد چاہتا ہے اگر مدد مل جائے تو سب کام بن جاتے ہیں لیکن مدد نہ ملنے پر شاعر شکوہ کرتا ہے۔ یہ دنیا حقیقی راحت کی جگہ نہیں ہے اس لئے انسان کتنی بھی خواہشات کی تکمیل ہو پھر بھی کچھ نہ کچھ حاصل کرنے کا طلب گار رہتا ہے۔

❖ مرکزی خیال

شاعر کو اپنے محبوب حقیقی خدا کی مدد کی ضرورت تھی۔ یہ مدد نہ ملنے پر اسے شکوہ ہے کہ اگر مدد مل جاتی تو اس کے دنیا کہ سب کام بن جاتے۔

شعر (3) اس نے کیا جانے کیا کیا لے کر — دل کسی کام کا نہیں ہوتا

حوالہ: یہ شعر مومن کی غزل سے لیا گیا ہے۔

تشریح : غزل کے اس شعر میں مومن کہتے ہیں کہ میرا محبوب کیا جانے کہ جب اس کا سب کچھ لٹ گیا ہے تو اب جو دل باقی رہ گیا ہے وہ کسی کام کا نہیں رہ گیا ہے۔ انسان کو خوش رہنے کے لئے ظاہری طور پر زندگی کی ضروریات میسر ہونا لازمی ہیں۔ اگر زندگی کا سکھ چین لٹ گیا تو پھر دل میں خوشی باقی نہیں رہتی۔ انسان سوچتا ہے کہ خدا نے اس سے سب کچھ چھین لیا اب ایک دل رہ گیا ہے جو غموں سے ڈوبا ہوا ہے اور وہ خوشی نہ ہونے کے

سبب کسی کام کا نہیں رہا۔

### ❖ مرکزی خیال

انسان کا سب کچھ لٹ گیا۔چھین لیا گیا۔صرف دل باقی رہ گیا ہے۔جو خوشی نہ ہونے کے سبب کسی کام کا نہیں رہا۔

شعر (4) تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

حوالہ: یہ شعر مومنؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔

تشریح : یہ شعر مومنؔ کا مقبول ترین شعر ہے جس کے بارے میں غالبؔ جیسے نامور شاعر نے ان سے کہا تھا کہ مومنؔ اگر یہ شعر ان کے نام کر دیں تو وہ اپنا سارا شعری دیوان ان کے نام کر دیں گے۔عشق حقیقی میں ڈوبا شاعر اپنے محبوب حقیقی خدا سے کہتا ہے کہ جب وہ تنہا رہتا ہے تب اس کی یاد ہی میرے دل میں بسی رہتی ہے اور کسی کی یاد دل میں نہیں رہتی۔انسان جب مشکلات اور پریشانیوں میں گھرا رہے تو اپنی پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے دنیاوی سہولتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے کہ کس کی مدد سے اس کی پریشانی دور ہو۔ لیکن سب دنیاوی سہارے ساتھ چھوڑ جائیں تب خدا کی یاد ہی انسان کے دل میں بسی رہتی ہے۔اور خدا کے سچے عاشق بندے ہر حال میں اپنے خدا کی یاد دل میں بسائے رکھتے ہیں اور دنیاوی اسباب سے اپنے دل و دماغ کو دور رکھتے ہیں۔محبوب بھی دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کا عاشق بندہ صرف اس کی طرف ہی متوجہ ہوتا ہے یا دوسروں سے بھی مدد کا طلب گار رہتا ہے۔اس شعر سے شاعر ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ دن ہو یا رات ہر حال میں

ہمیں اپنے خدائے حقیقی کی یاد ہی دل میں بسائے رکھنا چاہیئے اور ہمیشہ اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے اس سے ہی مدد طلب کرنا چاہیئے۔

## ❖ مرکزی خیال

خدا کا سچا عاشق بندہ ہمیشہ اپنے دل میں خدا کی یاد بسائے رکھتا ہے اور خدا کے علاوہ کسی اور کی یاد نہیں رکھتا۔ جب انسان کو غم کی حالت میں سب کوئی چھوڑ کر چلے جائیں تب خدا ہی کے سہارے وہ سکون حاصل کرتا ہے۔

شعر (5) کیوں سنے عرضِ مضطر اے مومنؔ صنم آخر خدا نہیں ہوتا

حوالہ: یہ شعر مومنؔ کی غزل سے لیا گیا ہے۔ یہ غزل کا مقطع ہے۔

تشریح: شاعر مومنؔ غزل کے مقطع میں کہتے ہیں کہ وہ دنیاوی بتوں سے اپنی فریاد کر کے دیکھ چکے ہیں لیکن جو اپنی مدد آپ نہیں کرسکتا وہ کیا میری مدد کر سکے گا۔ کیوں کہ پتھر کے بت حقیقی خدا نہیں ہو سکتے۔ انسان اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے دنیاوی اسباب پر بھروسہ کرتا ہے لیکن دنیاوی اسباب بھی خدا کی مرضی کے محتاج ہیں اس لیے شاعر کو بالآخر احساس ہوتا ہے کہ اس بے چین انسان کی فریاد خدا کے علاوہ دنیا کا کوئی محبوب کوئی سبب سن نہیں سکتا۔ اس شعر کے ذریعے مومنؔ اس اٹل حقیقیت کی طرف بھی اشارہ کر دیتے ہیں کہ انسان کو اپنی تمام ضروریات کی تکمیل کے لئے خدا سے رجوع ہونا چاہیئے دنیاوی سہارے فانی ہیں۔ ان سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

❖ مرکزی خیال

انسان کو اپنی پریشانیوں کے حل کے لئے حقیقی رب ذوالجلال سے رجوع ہونا چاہئے۔ دنیاوی اصنام اور طاقتیں انسان کو کچھ فائدہ نہیں پہونچا سکتیں۔

❖ مشکل الفاظ کے معنی

| | | |
|---|---|---|
| اثر | : | تاثیر۔کیفیت |
| رنج | : | غم۔دُکھ |
| راحت فزا | : | آرام بڑھانے والا |
| گویا | : | بولنے والا |
| غالبًا | : | فرض کرو |
| عرض | : | کہنا۔گزارش |
| مضطرب | : | بے چین۔بے قرار |
| صنم | : | بت۔مورتی |

I. مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کیجئے۔

شعر(1) اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا رنج راحت فزا نہیں ہوتا

جواب: شعر نمبر 1 کی تشریح دیکھیں۔

شعر(2) تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

جواب: شعر نمبر 4 کی تشریح دیکھیں۔

II. مختصر ترین سوالات: ایک لفظ یا جملہ میں جواب لکھئے۔

سوال(1) مومن خان مومنؔ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی ؟

جواب: مومن خان مومنؔ 1800ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔

سوال(2) مومنؔ نے طب کی تعلیم کس سے حاصل کی۔

جواب: مومنؔ نے اپنے والد حکیم غلام نبی خاں سے طب کی تعلیم حاصل کی۔

سوال(3) مومنؔ کا انتقال کس سنہ میں ہوا؟

جواب: مومنؔ کا انتقال 1851ء میں ہوا۔

III. طویل سوالات۔

سوال(1) شاعر مومنؔ کا تعارف پیش کیجیے۔

جواب: شاعر کا تعارف دیکھ کر لکھئے۔

سوال(2) مومنؔ کی شاعری کی خصوصیات بیان کیجئے۔

جواب: مومن خان مومنؔ (1800-1851) اردو غزل کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔

کوچہ چیلان دہلی میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام حکیم غلام نبی خاں تھا۔ جو حکیم اور عالم دین تھے۔مومن کے دادا سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں شاہی طبیبوں میں داخل ہوئے اور حکومت سے جاگیر بھی حاصل کی۔ان کے والد کو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے بہت عقیدت تھی۔ چنانچہ شاہ صاحب موصوف نے ہی مومن خاں نام رکھا۔مومن بچپن ہی سے ذہین طبع تھے۔ حافظہ بہت اچھا تھا۔ چنانچہ عربی و فارسی، طب، نجوم اور موسیقی میں جلدی کمال حاصل کرلیا۔مومن نے اس دور کے مشہور عالم شاہ عبدالقادر سے عربی اور اپنے والد سے طب کی تعلیم حاصل کی۔اس کے علاوہ ریاضی، علم نجوم، موسیقی اور شطرنج میں مہارت رکھتے تھے۔دلی سے پانچ مرتبہ باہر نکلے مگر وطن کی محبت نے اپنی طرف کھینچ لیا۔مومن نہایت آزاد مزاج، قانع اور وطن پرست تھے۔ امراء اور روساء کی خوشامد سے انہیں سخت نفرت تھی۔اس لیے کبھی کسی امیر یا وزیر کی ملازمت یا مصاحبت نہیں کی یہی ان کے کردار کی ایک نمایاں خصوصیت تھی۔مومن غالب کے ہم عصر تھے۔ دبستان دلی سے تعلق تھا۔غالب جیسے انفرادیت پسند شاعر مومن کے بڑے قدردان تھے۔مومن کا ایک شعر ہے:

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا        جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

غالب کو یہ شعر اتنا پسند آیا کہ وہ اس کے بدلے اپنا پورا دیوان دینے پر راضی ہوگئے۔مومن نے غزلوں میں اس دور کے روایتی رنگ کو پیش کیا۔انہیں زبان و بیان پر عبور تھا۔رعایت لفظی اور ابہام سے انہوں نے شاعری میں رنگ بھرا۔اردو غزل میں

مومنؔ اہم مقام پر فائز رہے۔

طبابت اور علم نجوم میں مہارت رکھتے تھے۔ستاروں کی چال جانتے تھے۔

ان نصیبوں پر کیا اختر شناس آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

مومنؔ ایک باکمال شاعر تھے۔ وہ حسن وعشق کے معاملات سے اچھی طرح واقف تھے۔ان کا شباب زاہد خشک کی طرح بے لذت نہیں تھا۔ بلکہ ان کی محبت ایک رنگیں اور اثر انگیز داستان ہے۔ان کی شاعری کا عاشق حقیقی زندگی کا فرد نظر آتا ہے، جس نے بھرپور زندگی گزاری ہو۔یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں میر تقی میر جیسی انفعالیت پسندی اور غالب جیسی تجریدیت کا فقدان ہے۔مومنؔ کے ہم عصروں میں غالبؔ اور ذوقؔ کو نمایاں مقام حاصل ہے لیکن مومنؔ اپنے کلام کی انفرادیت کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔وہ سادگی اور پرکاری سے شعر کہنے پر قادر تھے اوران کے زمانے میں ہی ان کی غزل گوئی کی شہرت دور دور تک پہنچی ہوئی تھی۔مومنؔ کے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے یہاں سادگی کے ساتھ ساتھ پرکاری ہے، جذبات نگاری ہے، کیوں کہ جذبات کو مناسب پیرائے میں ڈھالنے کے فن میں وہ یکتا تھے۔مومنؔ کی شاعری میں خودکلامی کا عنصر بھی نمایاں ہے۔مومنؔ اپنے دور کے شاید واحد شاعر ہیں جنہوں نے امراور روسا کی شان میں قصیدوں کے گلدستے نہیں سجائے۔وہ ستائش اور صلے کی تمنا سے بے نیاز تھے۔وہ پاک باز انسان تھے۔دل کے صاف تھے، کسی سے وہ عداوت نہیں رکھتے تھے اسی لیے کسی کے خلاف ہجو بھی نہیں لکھی انہیں ہجو گوئی سے شدید نفرت تھی۔مومنؔ میں خودداری کوٹ کوٹ

کر بھری ہوئی تھی۔اس کے علاوہ خود پسندی بھی تھی۔اسی لیے انہوں نے اپنے معاصرین میں کسی شاعر کو تسلیم نہیں کیا۔مومنؔ غزل کے مقطعے خوب اہتمام سے کہتے تھے۔تخلص میں اپنے نام کی رعایت سے مضمون پیدا کرنا ان کا خاص رنگ ہے جو کسی دوسرے شاعر کے یہاں کم نظر آتا ہے:

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن　　آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

یہ بات بھی درست ہے کہ اپنے معاصرین میں مومنؔ نے غزل گوئی میں ایک نئی طرز نکالی تھی اور وہ اس طرز کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی۔یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر جانے کے باوجود مومن کے کلام پر گرد نہیں جم سکی ہے۔مومنؔ نے اصناف شاعری میں قصیدہ،رباعی،واسوخت،غزل،ترکیب بند،مثنوی سبھی پر طبع آزمائی کی ہے۔مومنؔ کی یادگار ایک دیوان اور چھ مثنویاں ہیں۔



# 5 غزل

## مجروح سلطان پوری

## شاعر کا تعارف

اسرار حسین خاں مجروح سلطان پوری (2000-1915) اردو کے مشہور گیت کار اور غزل گو شاعر گزرے ہیں۔13/ اگست 1915ء کو پیدا ہوئے۔مجروحؔ کے والد محمد حسین خاں پولیس میں ملازم تھے۔سلطان پور سے اعظم گڑھ ملازمت کے سلسلے میں منتقل ہوئے۔ مجروحؔ کی ابتدائی تعلیم اعظم گڑھ میں ہوئی۔الہ آباد یونیورسٹی سے مولوی عالم اور مولوی فاضل کے امتحانات کامیاب کیئے۔مجروحؔ کی شاعری کی ابتداء 1940ء سے ہوئی۔ ان دنوں ہندوستان میں جگر مراد آبادی کی شہرت تھی۔1941ء میں جون پور کے ایک مشاعرے میں مجروحؔ کی جگر سے ملاقات ہوئی۔اور جگر نے ان کے کلام کی خوب ستائش کی۔

مجروحؔ نے گیت اور غزلیں کہیں۔ان کی غزلیں تعداد میں کم ہیں لیکن ان کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں۔انہوں نے غزل کے فن کو اپنے دلکش اور منفرد انداز اسلوب سے نیا رنگ و آہنگ بخشا۔وہ جدید غزل کے بانی تھے۔انہوں نے اپنی

غزلوں میں استعاروں اور کنایوں میں بات کہی۔فلموں کیلئے انہوں نے بے شمار گیت لکھے۔جس کی وجہ سے انہیں ''دادا صاحب پھالکے ایوارڈ'' اور ''اقبال سمان ایوارڈ'' دیا گیا۔مجروح کا اہم مجموعۂ کلام ''غزل'' 1952ء میں شائع ہوا۔ان کا انتقال 24/مئی 2000ء کو ممبئی میں ہوا۔

### ❖ مشکل الفاظ کے معنی

| | | |
|---|---|---|
| سہل | : | آسان |
| رُخ | : | طرف۔سمت |
| لجائے۔لجانا | : | شرمندہ ہونا |
| کاوش | : | کوشش۔جستجو |
| گردش | : | چکر |
| شبوں | : | شب (رات کی جمع) |
| قدح شراب | : | شراب کا بڑا پیالہ |
| جبیں | : | پیشانی |
| طور | : | طریقہ |
| آخرش | : | آخرکار |
| خار | : | کانٹا |

## ❖ اشعار کی تشریح

شعر(1) مجھے سہل ہوگئیں منزلیں وہ ہوا کے رُخ بھی بدل گئے

ترا ہاتھ ہاتھ میں آگیا کہ چراغ راہ میں جل گئے

حوالہ: یہ شعر مجروحؔ سلطان پوری کی غزل سے لیا گیا ہے۔ یہ غزل کا مطلع ہے۔

تشریح: غزل کے مطلع میں شاعر مجروحؔ اپنے محبوب حقیقی خدا کی نظر کرم سے ہونے والے فائدے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے میرے حقیقی محبوب جب آپ کا ساتھ مجھے مل گیا تو میری زندگی کی ساری مشکلیں دور ہوگئیں اور جو تکالیف زندگی میں پیش آرہی تھیں وہ بھی کم ہوگئیں۔ یہ شعر عشق حقیقی میں ڈوبا ہوا ہے۔ انسان کو جب اپنے مالک حقیقی کی مدد مل جائے اس کا ساتھ مل جائے تو اس کی زندگی کی ہر مشکل آسان ہوجاتی ہے۔ اس لیے انسان کو در بدر بھیک مانگنے کے بجائے اپنے رب مالک حقیقی سے تعلق پیدا کرنا چاہئے۔ اسی طرح انسان دنیا میں جسے چاہتا ہے اگر اس کا ساتھ اسے مل جائے تو اس کی ہر مشکلیں آسان ہوجائیں گی۔

## ❖ مرکزی خیال

انسان کو اپنے مالک حقیقی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ساتھ مل جائے تو اس کی دنیا وہ آخرت کی زندگی کامیاب ہوجائے گی۔ اور انسان جسے چاہتا ہے وہ اسے مل جائے تو اسے حقیقی چین وسکون حاصل ہوگا۔

شعر(2) وہ لجائے میرے سوال پر کہ اٹھا سکے نہ جھکا کے سر
اڑی زلف چہرے پہ اس طرح کے شبوں کے راز مچل گئے

حوالہ: یہ شعر مجروؔح سلطان پوری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

تشریح: غزل کے اس شعر میں شاعر مجروؔح رومانوی انداز میں اپنے محبوب کے حسن کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ان کا محبوب ان کے سامنے ہوا تو کسی بات پر اس نے نزاکت وحیا کے ساتھ اپنا سر جھکا لیا۔ اور ہوا کے سبب جب اس کی زلفیں اڑنے لگیں تو ایسا لگا کہ خوبصورت چاند سے چہرے کے پیچھے سے سیاہ رات نکل آئی ہو۔انسان جسے چاہتا ہے اس کے حسن کی تعریف کرتا ہے۔ یہ عشق ہے جو اسے اپنے مقصد کو حاصل کرنے اور اس کے بارے میں حسین خواب دیکھنے پر مجبور کرتا ہے۔انسان کو زندگی میں کامیابیاں ملیں تو وہ بھی اپنی کامیابی کو محبوب تصور کرتے ہوئے اس کے بارے میں اس طرح کے حسین خیالات پیش کرتا ہے۔

❖ مرکزی خیال

شاعر کا محبوب اس کے روبرو ہے۔ شرم وحیا کے سبب اس کا چہرہ جھکا ہوا ہے اور اس کی زلفیں سیاہ رات کی طرح چاند سے چہرے کے پیچھے سے نکل رہی ہیں۔ کسی سے سچی چاہت ہو تو انسان اس طرح کے جذبات کا اظہار کرتا ہے۔

شعر (3) وہی بات جو نہ وہ کہہ سکے مرے شعر و نغمہ میں ڈھل گئے
وہی لب نہ میں جنہیں چھو سکا قدح شراب میں ڈھل گئے

حوالہ: یہ شعر مجروحؔ سلطان پوری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

تشریح : غزل کے اس شعر میں شاعر مجروحؔ رومانوی انداز میں اپنے محبوب کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرا محبوب جو کچھ کہنا چاہتا تھا وہ میرے اشعار اور گیتوں میں آ گیا۔یعنی ہم دونوں کے خیالات ایک ہیں جو وہ کہنا چاہتے ہیں وہی میرے اشعار سے ظاہر ہو گیا۔میں محبوب سے ملنا چاہتا تھا لیکن جب میں شراب کا جام پینے لگتا ہوں تو مجھے ایسا سرور آتا ہے جیسے میرا محبوب میرے سامنے ہے۔ یہ عشق کی کیفیت ہے جس میں انسان جسے چاہتا ہے اس کے تعلق سے اچھی باتیں کہنے لگتا ہے۔

❖ مرکزی خیال

شاعر کو اپنے محبوب سے اس قدر عشق ہے کہ اسے اپنی باتوں میں محبوب کی ادا نظر آتی ہے اور شراب کے جام میں محبوب کا لمس دکھائی دیتا ہے۔

شعر (4) وہی آستاں ہے وہی جبیں وہی اشک ہے وہی آستیں
دل زار تو بھی بدل کہیں کہ جہاں کے طور بدل گئے

حوالہ: یہ شعر مجروحؔ سلطان پوری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

تشریح: غزل کے اس شعر میں شاعر مجروحؔ اپنے محبوب حقیقی خدا کے در پر اپنی پیشانی جھکانے اور آنسو بہانے کا ذکر کرتا ہے کہ بندہ اپنے مالک حقیقی سے ہی اپنی مرادیں طلب

کرتا ہے۔اس کے علاوہ کوئی اور در نہیں جہاں سر جھکایا جا سکے۔بندہ اپنے رب کے حضور رو رو کر اپنا دکھ درد بیان کرتا ہے اور اللہ سے مدد طلب کرتا ہے۔اسی طرح شاعر اپنے دل سے کہتا ہے کہ وہ بھی اپنا انداز بدل دے اور ادھر ادھر دیکھنے کے بجائے ایک خدا کی طرف رُخ کر لے تاکہ زندگی میں حقیقی چین وسکون نصیب ہو۔انسان کسی کو چاہتا ہے تو اسی کی طرف نظر کرتا ہے کہ اس کی محبت کا جواب مثبت ملے۔لیکن جواب نہ ملے تو وہ رو رو کر آنسو بہاتا ہے اور اپنے دل کو رُخ بدلنے کا مشورہ دیتا ہے۔

### ❖ مرکزی خیال

بندہ اپنے محبوب حقیقی کے در پر اپنی مرادیں طلب کرتے ہوئے آنسو بہا رہا ہے اور اسے احساس ہے کہ اس در کے علاوہ کسی اور در سے اس کی مراد پوری نہیں ہوگی۔

شعر (5) مرے کام آ گئیں آخرش یہی کاوشیں یہی گردشیں
بڑھیں اس قدر میری منزلیں کہ قدم کے خار نکل گئے

حوالہ: یہ شعر مجروحؔ سلطان پوری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

تشریح : غزل کے اس شعر میں شاعر زندگی کو کامیاب بنانے اپنی جستجو اور لگن کا اظہار کرتا ہے۔انسان جب کسی مقصد کے حصول کیلئے مسلسل محنت کرتا ہے اور اپنے رب پر یقین رکھتا ہے تو اس کی مشکلیں دور ہوتی ہیں اور ایک نہ ایک دن اسے ضرور کامیابی ملتی ہے۔اسی لیے شاعر کہتا ہے کہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے جس طرح میں نے

کوشش کی اور در بدر پھرتا رہا اس کا یہ صلہ مجھے ملا کہ میری مشکلیں آسان ہو گئیں اور مجھے کامیابی مل گئی۔

❖ مرکزی خیال

انسان منزل کے تعین کے ساتھ جہد مسلسل کے ساتھ کام کرے تو اسے کامیابی ضرور ملتی ہے اور زندگی کی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

I. مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔

شعر (1) مجھے سہل ہو گئیں منزلیں وہ ہوا کے رُخ بھی بدل گئے
تِرا ہاتھ ہاتھ میں آ گیا کہ چراغ راہ میں جل گئے

جواب: (شعر نمبر 1 کی تشریح دیکھیں)

شعر (2) وہی بات جو نہ وہ کہہ سکے مرے شعر و نغمہ میں ڈھل گئے
وہی لب نہ میں جنہیں چھو سکا قدح شراب میں ڈھل گئے

جواب: (شعر نمبر 3 کی تشریح دیکھیں)

II. مختصر ترین سوالات: ایک لفظ یا جملہ میں جواب لکھئے۔

سوال (1) مجروحؔ کا اصل نام کیا ہے۔

جواب: اسرار حسین خاں

سوال (2) مجروؔح کی پیدائش کب ہوئی۔

جواب: 13 / اگست 1915ء

سوال(3) مجروؔح سلطان پوری کو کونسا ایوارڈ دیا گیا۔

جواب: داداصاحب پھالکے ایوارڈ۔اقبال سمان ایوارڈ۔

سوال(4) مجروؔح کی وفات کب اور کہاں ہوئی۔

جواب: 24 / مئی 2000ء ممبئی۔

## III. طویل سوالات

سوال(1) مجروؔح سلطان پوری کا تعارف پیش کیجیے۔

جواب: (شاعر کے حالات زندگی دیکھیں)

سوال(2) مجروؔح کی شاعرانہ عظمت پر نوٹ لکھیئے۔

جواب: اسرار حسین خاں مجروؔح سلطان پوری (1915-2000) اردو کے مشہور گیت کار اور غزل گو شاعر گزرے ہیں۔ سلطان پور کے مشاعروں میں شرکت کرتے ہوئے انہوں نے اپنی قادرالکلامی کا ثبوت دیا۔ مجروؔح نے اپنی غزلوں اور نظموں پر مولانا آسؔ لکھنوی سے اصلاح لی تھی لیکن ان کی اصلاح کا طریقہ پسند نہ آنے کی وجہ سے یہ سلسلہ دراز نہ ہوا۔ 1941ء کے بعد سے مجروؔح نے اپنے کلام پر کسی سے اصلاح نہیں لی۔ اپنے ذاتی

مطالعہ اور محنت سے شاعری میں بڑا نام کمایا اور اپنے عہد کو متاثر کیا۔ 1941ء میں مجروحؔ کی پہلی ملاقات غزل کے منفرد شاعر اور ادبی مشاعروں کے روح رواں جگرؔ مرادآبادی سے جونپور میں ہوئی۔ پہلی ہی ملاقات میں ہی جگرؔ مرادآبادی، مجروح سلطان پوری کی شخصیت اور شاعری سے بڑے متاثر ہوئے اور مجروحؔ کو مفید مشوروں سے نوازا۔ 1945ء میں بمبئی میں ایک بڑا ادبی مشاعرہ منعقدہ ہوا جس میں ملک کے نامور شعراء، ادیب اور فنکاروں نے حصہ لیا اور اس میں جگرؔ مرادآبادی کے ساتھ مجروحؔ بھی شریک ہوئے۔ لوگوں نے مجروحؔ کے کلام کو بہت پسند کیا اور اس مشاعرے میں اس دور کے مشہور فلم ڈائریکٹر اے آر کاردار بھی شریک تھے۔ انہوں نے جگر صاحب سے اپنی فلم ''شاہ جہاں'' کے لیے گیت لکھنے کی فرمائش کی۔ مگر جگرؔ صاحب نے معذرت چاہی اور اس کام کیلئے مجروحؔ کو پیش کر دیا۔ جگرؔ صاحب کے اصرار پر ہی مجروحؔ نے یہ کام قبول کیا اور یہی ان کا مستقل ذریعہ معاش بن گیا اور وہ مستقل طور پر بمبئی آگئے رفتہ رفتہ مجروح کا شمار فلمی دنیا کے کامیاب شاعروں اور گیت کاروں میں ہونے لگا۔ اپنی ابتدائی زندگی کے زمانے ہی سے مجروحؔ نے بے شمار کامیاب گیت دیئے جس کی وجہ سے لوگ ان کے نام اور کام سے واقف ہوگئے اور ان کی شہرت ملک کے کونے کونے تک پھیل گئی۔ فلمی گیتوں میں مجروح نے ادبی معیار کو برقرار رکھا اور اس طرح فلمی نغموں کے معیار کو بھی بلند کیا۔ فلمی گیت کار کی حیثیت سے شاندار خدمات انجام دینے پر انہیں گراں قدر دادا صاحب پھالکے ایوارڈ اور ادبی خدمات کے صلہ میں اقبال سمان سے نوازا گیا۔ فلم شاہ جہاں'' سے

لے کر کئی فلموں میں مجروحؔ نے کامیاب گیت دیئے۔بمبئی میں مجروح کی ملاقات اس دور کے نوجوان ترقی پسند شعراء، ادیب اور فنکاروں سردار جعفری، کیفی اعظمی، سجاد ظہیر، ساحرؔ لدھیانوی، جاں نثار اختر، احسان دانش اور مشہور افسانہ نگار کرشن چندر سے ہوئی۔سبھی لوگ مجروحؔ کی شخصیت اور شاعری کے مداح تھے۔مجروحؔ کا شمار اردو کے سر برآوردہ غزل گوشعراء میں ہوتا ہے۔مرزا غالبؔ کے بعد اردو غزل انحطاط کا شکار ہوگئی تھی جس کی وجہ سے حالیؔ نے غزل کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا اور اس کی اصلاح کی تجاویز پیش کیں۔جدید نظم کی تحریک نے اس دور میں غزل کو پس منظر میں ڈھکیل دیا تھا۔مجروحؔ اور ان کے معاصرین نے اس صنف سخن کا احیاء کیا اور اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اسے وقار اور اعتبار بخشا۔مجروحؔ کو اپنے ہم عصروں میں ایک امتیاز حاصل ہے کہ وہ ایک اعلیٰ درجے کے فنکار اور ایک بلند پایہ شاعر ونغمہ نگار ہیں۔ان کا انداز بیان بھی سب سے الگ اور سب سے منفرد ہے جس کی وجہ سے جدید غزل گوشعراء میں سر بلند مانے جاتے ہیں۔ ان کی شاعری کے موضوعات، سیاسی، سماجی اور عشقیہ ہیں۔وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں، کیف و سرمستی میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔انہوں نے بے شمار اشعار تخلیق کئے ہیں جس کا پوری اردو شاعری میں جواب نہیں ہے۔

1952ء میں مجروحؔ سلطان پوری کا مجموعہ کلام ''غزل'' کے نام سے پہلی بار شائع ہوا۔یہ مجموعہ ان کے دوسرے دور کے آخری حصہ اور تیسرے دور کی یادگار ہے۔ ڈسمبر 1982ء تک اس کے 6 ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔مجروحؔ سلطان پوری کی تقریباً

55 سالہ شعری زندگی کو سامنے رکھیں تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کا کلام اختصار کے باوجود اہمیت کا حامل ہے۔ اس کا اہم کارنامہ یہ ہے کہ غزل جیسی روایتی صنف سخن میں ایک دلکش اور منفرد اسلوب کی بنیاد ڈالی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا سرمایہ شعر بہت مختصر ہے لیکن سارا کلام انتخاب معلوم ہوتا ہے اور اس میں خود ان کے حسن انتخاب کو بھی بڑا دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں بھرتی کا یا تیسرے درجہ کا کوئی شعر نہیں ملتا۔'' مجروح وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے غزل کی صنف کو ترقی پسندانہ نظریہ ادب کے مطابق سیاسی اور سماجی مسائل کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ مجروحؔ سلطان پوری کی شاعرانہ عظمت کا راز یہ ہے کہ وہ ایک مشہور اور کامیاب شاعر اور نغمہ نگار ہونے کے علاوہ وہ ایک خوددار اور خدا ترس انسان تھے۔ مجروحؔ سلطان پوری کی شہرت جتنی بمبئی میں تھی، اتنی ہی شہرت حیدرآباد میں تھی اور حیدرآباد کے شائقین پر مجروحؔ کی شاعری اور ان کے نغموں کا جادو چل چکا تھا۔ مجروحؔ کے چاہنے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور انہوں نے طویل عمر پائی اور آخری دم تک ادب کی بے پناہ خدمت کرتے رہے۔ افسوس کہ موت نے انہیں زیادہ قیام کی مہلت نہ دی اور انہوں نے 24 / اور 25 / مئی 2000ء کی درمیانی شب بمبئی میں آخری سانس لی اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کردی اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اردو زبان و ادب اور شاعری کی یہ شمع جو سلطان پور (یو۔ پی) میں روشن ہوئی تھی۔ وہ بمبئی میں ہمیشہ کیلئے خاموش ہوگئی۔



# 6 غزل

قیسی قمرنگری

## شاعر کا تعارف

قیسی قمرنگری دکن کے علاقہ آندھرا کے مشہور شاعر ہیں۔ان کا پورا نام صدیق احمد ہے۔اور قیسی تخلص۔ یکم/ مارچ 1954ء کو کرنول آندھرا پردیش میں پیدا ہوئے۔ کرنول کا نام پہلے قمرنگر تھا اسی مناسبت سے انہوں نے اپنے تخلص کے ساتھ قمرنگر کو جوڑ کر قمرنگری کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔انہوں نے ایم۔اے اور پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔آندھرا پردیش برقی بورڈ میں ملازم رہے اور وہیں سے وظیفے پر سبکدوش ہوئے۔قیسی قمرنگری کی مصروفیات میں مشاعروں میں شرکت' مشاعروں کی نظامت' اردو محافل کا انعقاد' اردو تحریکوں میں کام کرنا اور بزموں سے وابستگی ہے۔ قیسی اچھے شاعر ہی نہیں اچھے انسان بھی ہیں۔انسان دوستی اور سماجی خدمت ہمیشہ ان کا مشغلہ رہا ہے۔ان کی تحریر میں مزہ' بات چیت میں سنجیدگی اور شاعری میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

قیسی قمرنگری بنیادی طور پر اچھے مزاحیہ شاعر ہیں لیکن ان کی نثری تحریریں بھی معیاری اور دلچسپ ہیں۔ان کی شاعری کے مجموعے چوٹی کے شاعر'ادب برائے بیگم'

سوتیلی بیوی، بالکلیات ہیں۔ایک مزاحیہ افسانوں کا مجموعہ ''بسم اللہ کے لڈو'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے سنجیدہ مضامین بھی لکھے ہیں۔اور سنجیدہ شاعری بھی کی ہے۔قیسی قمرنگری غزل گوئی کے فن پر عبور رکھتے ہیں۔زبان و بیان کے تقاضوں کو بھی بخوبی پورا کرتے ہیں۔انہوں نے عصری معاشرتی اور سیاسی موضوعات کو زیادہ تر اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔انہوں نے حمد، نعت، غزل، ہائیکو اور قطعہ وغیرہ اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔لیکن غزل کی بات ہی اور ہے۔ان کی غزلیں بڑی مزے دار اور دلکش ہوتی ہیں۔انہوں نے مشکل ردیفوں میں بھی روانی کے ساتھ اشعار کہے ہیں۔ان کے طنز و مزاح میں بھی سنجیدگی محسوس کی جا سکتی ہے۔

❖ مشکل الفاظ کے معنی

| | | |
|---|---|---|
| مرحوم | : | انتقال کر جانا۔گزر جانا۔ |
| دست | : | ہاتھ۔پنجہ |
| ماشاءاللہ | : | جو اللہ چاہئے۔خدا کی مرضی |
| مظلوم | : | جس پر ظلم ہوا ہو |
| منثور | : | نثر۔منظوم کی ضد |
| منظوم | : | پرو دیا گیا۔نظم لکھنا |
| مفہوم | : | مطلب |
| منشاء | : | ارادہ |

## ❖ اشعار کی تشریح

شعر(1) میرے اشعار کا مفہوم مجھے کیا معلوم
آپ کر لیجیے معلوم مجھے کیا معلوم

حوالہ: یہ شعر قیسیؔ قمر نگری کی غزل سے لیا گیا ہے۔ یہ غزل کا مطلع ہے۔

تشریح: غزل کے مطلعے میں شاعر قیسیؔ قمر نگری مزاحیہ انداز میں اپنی شاعری کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں جو شاعری کر رہا ہوں اس کا مفہوم مجھے کچھ پتہ نہیں ہے۔ آپ سامعین و قارئین ہی اپنے اپنے طور پر اس کا مفہوم معلوم کر لیجیے۔ حالانکہ ہر سنجیدہ شاعر کچھ سوچ سمجھ کر ہی شعر کہتا ہے لیکن مزاحیہ شاعر اس طرح کی بات پیش کرتے ہوئے خوشگوار ماحول تیار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مزاح میں بھی ایک گہرا پیغام پوشیدہ ہے کہ غزل کی شاعری سمندر کو کوزے میں بند کر دینے کی شاعری ہے۔ اشعار کے مفہوم میں گہرائی ہوتی ہے جو سامع یا قاری کی اپنی صلاحیت پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ کسی شعر کا کیا مفہوم لیتا ہے۔

## ❖ مرکزی خیال

قیسیؔ قمر نگری مزاحیہ انداز میں غزل کے مطلع میں کہتے ہیں کہ میں تو بے سوچے سمجھے شعر کہہ رہا ہوں سننے والے یا پڑھنے والے ہی اپنے طور پر ان اشعار کا مفہوم نکال لیں۔

شعر(2) اتنا معلوم ہے اک شاعر مشہور ہوں میں
کون تھے غالبؔ و مخدومؔ مجھے کیا معلوم

حوالہ: یہ شعر قیسیؔ قمرنگری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

تشریح : غزل کے اس شعر میں شاعر قیسیؔ قمرنگری مزاحیہ انداز میں اپنی شاعری کے بارے میں کہتے ہیں کہ میں ایک مشہور شاعر ہوں۔ مجھے اپنی شاعری اور فن پر ناز ہے۔ لیکن میرے علاوہ غالبؔ، مخدومؔ اگر کوئی مشہور شعراء ہیں تو مجھے ان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔بس اتنا پتہ ہے کہ میں ہی ایک مشہور شاعر ہوں۔ اپنی شاعری کے بارے میں یہ دعویٰ کرتے ہوئے قمر قیسیؔ نگری نے میر و غالب کی طرح اپنی شہرت کا بھی اظہار کیا ہے۔ یہ جذبہ انانیت اور خود پرستی ہے جو اکثر اردو شعراء نے اپنے آپ کے بارے میں پیش کیا ہے۔

❖ مرکزی خیال

شاعر کو اپنی شاعری کے فن پر ناز ہے اور وہ کسی اور مشہور شاعر کو بھی نہیں جانتا کہ اس سے کون بہتر ہے۔ یہ شاعر کی انانیت کا اظہار ہے۔

شعر(3) بس مزے دار تھا چہلم کا پلاؤ لیکن
کون تھے حضرت مرحوم مجھے کیا معلوم

حوالہ: یہ شعر قیسیؔ قمرنگری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

تشریح : غزل کے اس شعر میں شاعر قیسیؔ قمرنگری مزاحیہ انداز میں کہتے ہیں کہ مجھے

دعوت کھانے کے شوق ہے۔ایک چہلم کی دعوت میں گیا جہاں پلاؤ مزے دار تھا۔میں نے خوب کھایا لیکن مجھے پتہ نہیں کہ یہ کس کا چہلم تھا۔مرنے والا کون تھا یہ بھی مجھے نہیں معلوم۔شاعر کا یہ طنز ان لوگوں پر ہے جو اکثر دعوتوں میں بغیر بلائے چلے جاتے ہیں اور مفت کی دعوت کھا کر نکل جاتے ہیں اور انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ شادی کی دعوت ہے یا چہلم کی۔یہ ایک سماجی برائی ہے جسے روکنے کی ضرورت ہے۔

**مرکزی خیال:** چہلم کی دعوت تو مزے سے کھالی لیکن مرحوم کا کچھ پتہ نہیں۔

شعر(4) دستِ بیگم کا نشاں گالوں پہ ماشاء اللہ
آپ اس درجہ ہیں مظلوم مجھے کیا معلوم

**حوالہ:** یہ شعر قیسیؔ قمرنگری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

**تشریح:** غزل کے اس شعر میں شاعر قیسیؔ قمرنگری مزاحیہ انداز میں مظلوم شوہروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک شوہر کے گالوں پر بیوی نے اس زور سے طمانچہ مارا کہ اس کے نشان اس کے گالوں پر واضح دکھائی دے رہے ہیں اور بے چارہ شوہر مظلوم لگ رہا ہے۔مجھے کیا معلوم کہتے ہوئے شاعر مظلوم شوہروں کی حمایت کر رہے ہو جو ظالم بیویوں کے ظلم کا نشانہ بنتے ہیں۔اکثر مرد کہتے ہیں کہ ان کی بیوی ظالم ہے اور وہ مظلوم۔سماج کی اس حقیقت کی جانب شاعر نے مزاحیہ انداز میں اظہار کیا ہے۔

**مرکزی خیال:** ظالم بیوی نے اپنے شوہر کے گالوں پر اس زور کا طمانچہ مارا کہ مار کے نشان واضح دکھائی دے رہے ہیں اس طرح مار کھانے والا شوہر بے حد مظلوم ہے۔

شعر (5) میں نے قیسؔی ترا مجموعہ اشعار پڑھا
ہے وہ منثور یا منظوم مجھے کیا معلوم

حوالہ: یہ شعر قیسؔی قمر نگری کی غزل سے لیا گیا ہے۔

تشریح: غزل کے اس شعر میں شاعر قیسؔی قمر نگری مزاحیہ انداز میں اپنی شاعری کے بارے میں کہتے ہیں کہ لوگ ان کی شاعری پڑھتے ہیں لیکن انہیں پتہ نہیں چلتا کہ یہ شاعری ہے یا نثر ہے۔ یہ طنز ہے ان شاعروں پر جو بغیر اصلاح لیے اپنے کلام کو پیش کر دیتے ہیں اور اس میں وزن اور بحر کا لحاظ نہیں رکھا جاتا اور وہ خود کو بڑا شاعر قرار دیتے ہیں۔

❖ مرکزی خیال: شاعر اپنے آپ پر طنز کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میری شاعری نثر ہے یا نظم مجھے کچھ نہیں معلوم۔ اس طرح شاعر نوآموز شعرا پر طنز کرتا ہے۔

I. سوالات:

مندرجہ ذیل اشعار کی تشریح کیجیے۔

(1) بس مزے دار تھا چہلم کا پلاؤ لیکن
کون تھے حضرت مرحوم مجھے کیا معلوم

جواب: (شعر نمبر 3 کی تشریح دیکھیں)

(2) دستِ بیگم کا نشاں گالوں پہ ماشاء اللہ
آپ اس درجہ ہیں مظلوم مجھے کیا معلوم

جواب: (شعر نمبر 4 کی تشریح دیکھیں)

II. مختصرترین سوالات۔ایک لفظ یا جملے میں جواب لکھئے۔

سوال(1) قیسی کا پورانام کیا ہے؟اوروہ کب پیدا ہوئے۔

جواب: صدیق احمد قمر قیسی نگری

سوال(2) قیسی کہاں ملازم تھے۔اورکہاں پیدا ہوئے۔

جواب: آندھرا پردیش برقی بورڈ۔کرنول قمرنگر میں پیدا ہوئے۔

سوال(3) قیسی کی دومصروفیات بیان کیجئے۔

جواب: مشاعروں میں شرکت۔اردومحافل کا انعقاد

سوال(4) قیسی کے کوئی دوشعری مجموعوں کے نام لکھئے۔

جواب: چوٹی کی شاعری۔ادب برائے بیگم

III. طویل سوالات

سوال(1) قیسی قمرنگری پرایک مضمون لکھئے۔

جواب: (جواب کے لئے سوانح حیات لکھئے)

سوال(2) قیسی کی مزاحیہ غزل گوئی پراظہارخیال کیجئے۔

جواب: قیسی قمرنگری دکن کے علاقہ آندھرا کے مشہور شاعر ہیں۔ان کا پورانام صدیق احمد ہے۔ اورقیسی تخلص۔یکم/ مارچ 1954ء کوکرنول آندھرا پردیش میں پیدا ہوئے۔کرنول کا نام پہلے قمر

نگر تھا اسی مناسبت سے انہوں نے اپنے تخلص کے ساتھ قمر نگر کو جوڑ کر قمر نگری کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔انہوں نے ایم۔اے اور پی ایچ ڈی کی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔آندھرا پردیش برقی بورڈ میں ملازم رہے اور وہیں سے وظیفے پر سبکدوش ہوئے۔قیسی قمر نگری کی مصروفیات میں مشاعروں میں شرکت' مشاعروں کی نظامت' اردو محافل کا انعقاد' اردو تحریکوں میں کام کرنا اور بزموں سے وابستگی ہے۔قیسی اچھے شاعر ہی نہیں اچھے انسان بھی ہیں۔انسان دوستی اور سماجی خدمت ہمیشہ ان کا مشغلہ رہا ہے۔ان کی تحریر میں مزہ' بات چیت میں سنجیدگی اور شاعری میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

قیسی قمر نگری بنیادی طور پر اچھے طنزیہ و مزاحیہ شاعر ہیں لیکن ان کی نثری تحریریں بھی معیاری اور دلچسپ ہیں۔ ان کی شاعری کے مجموعے چوٹی کے شاعر' ادب برائے بیگم' سوتیلی بیوی' بالکلیات ہیں۔ایک مزاحیہ افسانوں کا مجموعہ بسم اللہ کے لڈو کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے سنجیدہ مضامین بھی لکھے ہیں۔اور سنجیدہ شاعری بھی کی ہے۔قیسی قمر نگری غزل گوئی کے فن پر عبور رکھتے ہیں۔زبان و بیان کے تقاضوں کو بھی بخوبی پورا کرتے ہیں۔انہوں نے عصری معاشرتی اور سیاسی موضوعات کو زیادہ تر اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔انہوں نے حمد' نعت' غزل' ہائیکو اور قطعہ وغیرہ اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔لیکن غزل کی بات ہی اور ہے۔ان کی غزلیں بڑی مزے دار اور دلکش ہوتی ہیں۔انہوں نے مشکل ردیفوں میں بھی روانی کے ساتھ اشعار کہے ہیں۔ان کے طنز و مزاح میں بھی سنجیدگی محسوس کی جا سکتی ہے۔عصر حاضر کے موضوعات کو انہوں نے اپنے طنز و مزاح کا نشانہ بنایا۔



# 1 حصۂ نثر

# انگریز افسر سے ملاقات

ڈپٹی نذیر احمد

❖ نثر کی تعریف

کسی بھی زبان میں ادبی اظہار کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔ایک نثر دوسرے نظم۔ نثر ایسی عبارت کو کہتے ہیں جس میں کلام غیر موزوں و غیر مقفیٰ ہو۔ اور اسی طرح کلام موزوں ومقفیٰ کو نظم کہا جاتا ہے۔ نثر پھیلی ہوئی عبارت کو کہتے ہیں۔نثر کی اکائی جملہ ہوتی ہے یعنی کئی جملوں کو ملانے سے نثر وجود میں آتی ہے۔اور ترتیب سے لکھی ہوئی ایسی عبارت جس سے مفہوم ادا ہوا سے جملہ کہتے ہیں۔نثر کی ادبی اصناف میں داستان۔ ناول۔ڈرامہ۔افسانہ۔مضمون۔انشائیہ۔خاکہ۔سفرنامہ اور رپورتاژ وغیرہ شامل ہیں۔

## مصنف کا تعارف

ڈپٹی نذیر احمد (1836-1912) اردو کے اولین ناول نگار اور نامور انشاء پرداز' گزرے ہیں۔ ریہڑ ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی محمد

سعادت علی سے حاصل کی اس کے بعد مولوی نصر اللہ خاں سے عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کی۔مزید تعلیم کے لیے دلی چلے آئے اور ایک مدرسہ میں بہت دنوں تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔بعد میں اپنی قابلیت کی وجہہ سے دلی کالج میں داخلہ لیااور وہاں عربی ادب' فلسفہ اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔تعلیم سے فارغ ہوکر صوبہ پنجاب کے ایک مدرسہ میں مدرس ہوگئے۔دو برس بعد ڈپٹی انسپکٹر آف اسکول ہوکر کانپور آگئے۔اس دوران انہوں نے ملازمت کو استعفیٰ دیا مگر استعفیٰ منظور نہ ہوا بلکہ انہیں الہ آباد تبادلہ کیا گیا۔الہ آباد میں انہوں نے انگریزی سیکھی۔اور اپنی کوشش سے اچھی خاصی استعداد حاصل کرلی۔اس دوران انہوں نے انڈین پینل کوڈ کا ترجمہ ''تعزیرات ہند'' کے نام سے کیا۔یہ ترجمہ اتنا مکمل اور معیاری تھا کہ انتہائی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔گورنمنٹ نے اس سے متاثر ہوکر انہیں پہلے تحصیل دار اور پھر ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر ترقی دی۔ان کی شہرت کا چرچا سن کر سالار جنگ نے انہیں حیدرآباد بلایا۔اور یہاں افسر بندوبست بمشاہرہ 800 روپے ماہانہ مقرر کیا۔ترقی کرتے ہوئے وہ اعلیٰ ممبر مالیات تک پہنچے۔کئی برس تک حیدرآباد میں ملازمت کی اور وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوکر دلی لوٹ آئے۔اور اپنی بقیہ عمر تصنیف و تالیف میں گذاردی۔

ڈپٹی نذیر احمد نے اپنی زندگی میں بے شمار کتابیں لکھیں۔مراۃ العروس۔بنات النعش۔توبتہ النصوح۔ابن الوقت۔محصنات۔ ایامیٰ۔ رویائے صادقہ۔ منتخب الحکایات۔ ترجمہ قرآن۔امہات الامہ۔مبادی الحکمت۔چند و پند۔ادعیتہ القرآن۔ ادعتیہ الحقوق والفرائض۔اجتہاد وغیرہ ان کی یادگاریں ہیں۔

ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار تسلیم کیا جاتا ہے۔انہوں نے سماج کی پستی خاص کر مسلمانوں کی زبوں حالی کو اپنے ناولوں میں اجاگر کیا۔وہ ایک باریک بین تھے۔ انہوں نے معاشرے کی اندرونی باریکیوں' خوبیوں اور خامیوں کو دلچسپ انداز میں پیش کیا۔ توبتہ النصوح ان کا مشہور ناول ہے جس میں اولاد کی غلط تربیت سے پیدا ہونے والے نتائج کو بڑی خوبی سے اجاگر کیا گیا ہے۔ڈپٹی نذیر احمد کی شہرت بہ حیثیت نثر نگار مسلمہ ہے۔انہیں دلی کی ٹکسالی زبان پر بے پناہ قدرت حاصل تھی۔ان کا اسلوب بیان نہایت سادہ اور سلیس ہے۔اردو ادب پر ان کے جو احسانات ہیں انہیں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔گورنمنٹ نے بھی ان کے علمی و ادبی خدمات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور ان کی کتاب ''توبتہ النصوح'' پر انہیں ایک ہزار روپئے نقد انعام سے نوازا۔

1902ء میں اڈنبرا یونیورسٹی کی جانب سے ان کی علمی و ادبی خدمات کے صلہ میں انہیں ایل ایل بی کی اعزازی ڈگری عطا کی گئی۔پنجاب یونیورسٹی نے 1910ء میں ڈی او ایل کی ڈگری دی۔1897ء میں حکومت برطانیہ نے ان کی علمی خدمات کے اعتراف میں انہیں ''شمس العلماء'' کے خطاب سے سرفراز کیا۔غرض ڈپٹی نذیر احمد کی علمی و ادبی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ڈپٹی نذیر احمد کا انتقال 1912ء میں ہوا۔

❖ خلاصہ

ڈپٹی نذیر احمد (1836-1912) اردو کے اولین ناول نگار اور نامور انشاء پرداز گزرے ہیں۔ ''انگریز افسر سے ملاقات'' ان کے تحریر کردہ ایک ناول کا حصہ ہے

جس میں انہوں نے ہندوستان میں مقیم انگریز افسروں سے کسی ہندوستانی کی ملاقات کی مشکلات کا ذکر کیا ہے۔ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں کہ بہت دن سے وہ انگریز افسر سے ملاقات کرنا چاہتے تھے۔اس دور میں ہندوستانی غلام تھے اور جو انگریزوں سے قریب تھے ان کے بہت سے کام بن جاتے تھے۔سر سید احمد خان نے لوگوں کو انگریزی تعلیم کے حصول کی اہمیت سے واقف کرایا تھا تا کہ لوگ انگریزوں کے ہاں ملازمت کر سکیں۔انگریز افسر سے ملاقات کا احوال بیان کرتے ہوئے ڈپٹی نذیر احمد لکھتے ہیں کہ انگریز افسر کے سامنے ہندوستانی افسر کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔موسم کیسا ہی شدید کیوں نہ ہو اور ہندوستانی افسر کسی انگریز کلکٹر' سارجنٹ یا اسسٹنٹ سے ملنا چاہے تو اسے انگریز افسر کے گھر سے بہت دور ہی احاطے سے ہی پیدل چلنا ہوتا ہے۔انگریز افسروں کے مکان بڑے بڑے ہوتے تھے اور گھر میں جانے سے قبل بہت دور تک کسی کو پیدل چلنا پڑتا تھا۔ڈپٹی نذیر احمد کو ڈر تھا کہ پیدل چلنے کے دوران اگر وہ ہانپنے لگیں گے تو ان کی نوکری جاتی رہے گی کیوں کہ انگریز افسر سمجھے گا کہ یہ کچھ دور پیدل چل نہیں سکتے تو ڈپٹی کلکٹر کی نوکری کیا کریں گے۔چنانچہ وہ انگریز افسر کے گھر میں کچھ دور چل کر پیڑ کی آڑ میں اپنی سانس درست کرنے لگتے ہیں۔

جب وہ اپنی حالت درست کر کے آگے بڑھے تو انگریز افسر کے چپراسی اور اردلی دور سے ہی انہیں دیکھ کر انجان بننے لگے۔وہ صاحب سے ملنے مکان کے اوپری حصے پر پہونچے۔ وہاں بیٹھنے کی کوئی سہولت نہیں تھی۔ان کی ہمت جواب دینے لگی لیکن وہ کسی حال افسر سے ملاقات کر کے ہی جانا چاہتے تھے بہت دیر تک انہیں ٹھہرے انتظار کرنا پڑا۔بہت

دیر بعد ملازم نے اطلاع دی کہ صاحب غسل خانہ میں ہیں۔ ملازم نے تھوڑی دیر بعد اطلاع دی کہ صاحب کپڑے بدل رہے ہیں۔ ناشتہ کر رہے ہیں۔ چٹھی لکھ رہے ہیں وغیرہ۔ صاحب کی یہ حرکتیں سن کر ڈپٹی نذیر احمد مایوس ہو گئے کہ ملاقات ہو گی یا نہیں۔ وہ واپس جانا چاہتے تھے۔ ملازم نے کہا کہ میں نے دو مرتبہ صاحب سے آپ کے بارے میں کہا ہے۔ وہ ڈرتے ڈرتے اندر گیا کہ اطلاع دوں۔ انہیں اندر بلایا گیا۔ انگریز افسر کوئی کاغذ یا کتاب دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے نظر اٹھائی اور ڈپٹی نذیر احمد کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اسی وقت چپراسی نے سر رشتہ دار کے آنے کی بات کہی تو انگریز افسر نے کہا اچا آنے بولو۔ یہ سن کر ڈپٹی نذیر احمد نے سوچا کہ چودہ برس ہندوستان میں رہ کر انگریز افسر نے کیا اردو سیکھی۔ انگریز افسر نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں گرمی کی شدت دریافت کی۔ انہوں نے کہا کہ لو سے کچھ لوگوں کے مرنے کی اطلاع ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد سمجھے کہ شائد انگریز افسر لو اور لوگوں کے مرنے کی تفصیلات پوچھے گا۔ لیکن اس نے کہا کہ آپ کچھ کہنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ سنتے ہی ڈپٹی نذیر احمد نے کہا کہ نہیں میں تو صرف سلام کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ بہت دن ہو گئے تھے آپ سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا۔ بس اتنی مختصر سی ملاقات کے بعد جب وہ انگریز افسر کے کمرے سے باہر نکلے تو افسر کے چپراسیوں کی ایک بڑی تعداد ان کے سامنے آئی۔ انہیں سلام کیا اور اس امید میں تھے کہ افسر سے ملاقات کرانے کے معاوضے کے طور پر وہ چپراسیوں کو کچھ نذرانہ دیں گے۔ ڈپٹی نذیر احمد سوچنے لگے کہ بڑی کوشش اور کافی انتظار کے بعد جب میں صرف انگریز افسر کو سلام کر کے نکلا

ہوں تو اس کے چپراسی اس ملاقات سے بھی انعام لینا چاہتے ہیں۔

مرکزی خیال: ناول کے اس حصے کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریز دور حکومت میں ہندوستانیوں کے ذہنوں میں کس قدر غلامی چھائی ہوئی تھی کہ ایک انگریز افسر کو سلام کرنے کے لیے انہیں کافی جدو جہد کرنی پڑی اور جب باہر نکلے تو ہندوستانی چپراسی اس ملاقات کو یقینی بنانے کے بدلے ان سے انعام طلب کرنے لگے تھے۔ انگریز دور کی ہندوستانیوں کی غلامی اور انگریزوں کے ٹھاٹ باٹ کو ڈپٹی نذیر احمد نے اس حصے میں بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔

❖ مشکل الفاظ کے معنی

| | |
|---|---|
| گانٹھ کا پورا: | دولت مند، مال دار، عقل مند |
| شاگرد پیشہ: | نوکروں کے رہنے کی جگہ |
| پیشی کا بستہ: | ایسا بستہ جس میں سرکاری کاغذات رکھے جاتے ہیں |
| مقطع : | تراشا ہوا۔ چھانٹا ہوا |
| چکھوتی : | تھوڑا سا انعام۔ جو رشوت یا بخشش کے طور پر ملے۔ لذیذ کھانا۔ |
| جمعدار : | گھریلو خادم |
| فوجداری : | فوجداری کا عہدہ |

آٹے کی فکر: روزی کی فکر

بندہ نوازی: مہربانی، عنایت

حشرات الارض: زمینی کیڑے مکوڑے

تکیہ : سرہانے رکھنے کی چیز

ا. مندرجہ ذیل کی بحوالہ متن تشریح کیجیے۔

(1) ''میں جب دیکھتا ہوں کہ اب بہت دن ہو گئے ہیں تو ہفتوں پہلے سے ارادہ کرتا ہوں اور آخر زبردستی ٹھیل ٹھیل کر اپنے تیئں لے جاتا ہوں کہ کوٹھی پر جا کر وہی بے لطفی وہی بے عزتی''۔

حوالہ: یہ عبارت ڈپٹی نذیر احمد کے تحریر کردہ مضمون ''انگریز افسر سے ملاقات'' سے لی گئی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں ڈپٹی نذیر احمد نے انگریزوں کی ملازمت کے زمانے میں اپنے سے اعلیٰ عہدے پر فائز ایک انگریز افسر سے ملاقات کا حال بیان کیا ہے۔ انگریز افسر کی ماتحتی میں رہتے ہوئے وہ اس کی ہمدردی چاہتے تھے۔ اس لیے وہ افسر سے ملاقات کر کے اس کی ہمدردی طلب کرتے تھے۔ انہیں احساس تھا کہ انگریز افسر سے ملاقات آسان کام نہیں ہے۔ اس کے گھر جانے اور ملاقات کے دوران جو انتظار اور چپراسیوں کی جانب سے جو برتاؤ دکھائی دیتا اس سے ان کی بے عزتی ہوتی تھی۔ لیکن وہ مجبوراً اپنی ملازمت کے تحفظ کے لیے اور انگریز افسر سے خوشنودی کی خاطر اس کے گھر پر

حاضر ہوتے تھے۔

مرکزی خیال: انگریز افسر سے ملاقات ہندوستانی ملازم کے لیے مشکل اور بے عزتی والا کام تھا۔لیکن حالات سے مجبور ہو کر وہ یہ کام کر جاتا تھا۔

(2) ''خدمت گار اور اردلی کے چپراسیوں نے تو احاطے کے باہر ہی سے تاڑ لیا تھا۔کوٹھی کے پاس آتے دیکھ کر قصداً ادھر ادھر کو ٹل گئے''۔

حوالہ: یہ عبارت ڈپٹی نذیر احمد کے تحریر کردہ مضمون ''انگریز افسر سے ملاقات'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں ڈپٹی نذیر احمد نے انگریزوں کی ملازمت کے زمانے میں اپنے سے اعلیٰ عہدے پر فائز ایک انگریز افسر سے ملاقات کا حال بیان کیا ہے۔ڈپٹی نذیر احمد جب انگریز افسر سے ملنے اس کی کوٹھی گئے تو کافی طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ گھر کے قریب پہونچے۔انہیں اندر آتا دیکھ کر کوٹھی میں کام کرنے والے خدمت گار، اردلی اور چپراسی ادھر ادھر ہو گئے۔کیوں کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ڈپٹی نذیر احمد سے بات کریں اور انگریز افسر سے ملاقات کا راستہ دکھائیں۔اکثر بڑے افسروں کے نوکر بھی شاہی دماغ کے ہو جاتے ہیں اور ملنے آنے والوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔

مرکزی خیال: انگریز افسر کے چپراسی نذیر احمد کو گھر میں آتا دیکھ کر ادھر ادھر ہو گئے تاکہ انہیں افسر سے ملاقات سے روکا جاسکے۔

(3) ''غرض کوئی آدھ گھنٹے (اور اس انتظار میں تو ایسا معلوم ہوا کہ دو گھنٹے)

اسی طرح کھڑے سوکھا کیے۔بارے خدا خدا کر کے ایک چپراسی اندر سے چٹھی لیے نمودار ہوا''۔

حوالہ: یہ عبارت ڈپٹی نذیر احمد کے تحریر کردہ مضمون ''انگریز افسر سے ملاقات'' سے لی گئی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں ڈپٹی نذیر احمد نے انگریزوں کی ملازمت کے زمانے میں اپنے سے اعلیٰ عہدے پر فائز ایک انگریز افسر سے ملاقات کا حال بیان کیا ہے۔جب کسی طرح ڈپٹی نذیر احمد انگریز افسر کی کوٹھی میں اوپر ملاقات کے لیے پہونچ گئے تو معلوم ہوا کہ صاحب غسل خانہ میں ہیں پھر معلوم ہوا کہ ناشتہ کر رہے ہیں پھر معلوم ہوا کہ کچھ لکھ رہے ہیں۔انتظار میں ٹھہرے نذیر احمد کو بیٹھنے کا موقع نہیں ملا اور وہ کھڑے کھڑے انتظار میں تھک گئے تھے۔بہت دیر بعد چپراسی ایک چٹھی لیے کر آیا کہ صاحب اندر بلا رہے ہیں۔اس طرح انہیں انگریز افسر سے کافی دیر بعد ملاقات کا موقع دیا گیا۔

مرکزی خیال: انگریز افسر سے ملاقات کا انتظار کرنے کے لیے ڈپٹی نذیر احمد کو کافی دیر کھڑا رہنا پڑا۔اس کے بعد انہیں ملاقات کے لیے طلب کیا گیا۔

(4) ''بڑی دیر بعد چپراسی یہ حکم لے کر نکلا کہ سررشتہ دار کو رپورٹ خوانی کے لئے بلایا ہے۔اب رہی سہی امید بھی گئی گزری ہوئی''۔

حوالہ: یہ عبارت ڈپٹی نذیر احمد کے تحریر کردہ مضمون ''انگریز افسر سے ملاقات'' سے لی گئی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں ڈپٹی نذیر احمد نے انگریزوں کی ملازمت کے زمانے میں

اپنے سے اعلیٰ عہدے پر فائز ایک انگریز افسر سے ملاقات کا حال بیان کیا ہے۔جب ڈپٹی نذیر احمد انگریز افسر سے ملاقات کے لیے اس کے گھر میں کھڑے کھڑے کافی دیر انتظار کر چکے تھے تو وہ مایوس ہوگئے تھے کہ ملاقات ہوگی یا نہیں۔انہوں نے چپراسی سے بھی کہلا بھیجا کہ ملاقات کے لیے آئے ہیں۔دوتین مرتبہ آنے کے بعد چپراسی نے کہا کہ صاحب ناشتہ کے بعد اب سر رشتہ دار کو بلائے ہیں رپورٹ پڑھنے کے لیے اس کے بعد ہی آپ سے ملاقات کریں گے۔جب یہ اطلاع سنی تو ڈپٹی نذیر احمد کو صاحب سے ملاقات کی امید کم ہوگئی۔

**مرکزی خیال:** کافی انتظار کے بعد جب چپراسی نے کہا کہ اب صاحب سر رشتہ دار سے ملیں گے تو ڈپٹی نذیر احمد کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

**II.** مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات ایک سطر میں لکھیے۔

سوال(1) ڈپٹی نذیر احمد کا اصل نام کیا ہے۔

جواب: ڈپٹی نذیر احمد۔

سوال(2) نذیر احمد کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی۔

جواب: 1836 ریہڑ ضلع بجنور یوپی۔

سوال(3) نذیر احمد کے کوئی دو ناولوں کے نام لکھیے۔

جواب: مراۃ العروس۔ابن الوقت

سوال(4) نذیر احمد کو انگریزوں کی طرف سے کونسا خطاب ملا۔

جواب: شمس العلماء

سوال(5) نذیر احمد کی وفات کس سنہ میں ہوئی۔

جواب: 1912ء

III. مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات چار سطروں میں تحریر کیجئے۔

سوال(1) انگریز افسر نے نذیر احمد سے ملاقات کے لیے کتنا وقت انتظار کروایا۔

جواب: ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے مضمون ''انگریز افسر سے ملاقات'' میں ایک انگریز افسر سے ملاقات میں ہونے والی تاخیر کا ذکر کیا ہے۔ جب نذیر احمد افسر کے گھر پہونچے تو کافی دور چل کر جانا پڑا۔ چپراسی انہیں دیکھ کر نظر انداز کرنے لگے۔ اوپر کوٹھی میں گئے تو وہاں بیٹھنے کے لیے جگہ نہیں تھی۔ کافی دیر کھڑے رہ کر انہوں نے انتظار کیا۔ صاحب کے غسل خانہ میں ہونے ناشتہ کرنے سر رشتہ دار سے بات کرنے کی اطلاعات ملیں اور تقریباً دو گھنٹے انتظار کرنے کے بعد انہیں افسر کے روبرو جانے کا اتفاق ہوا۔ اور مختصر سے ملاقات رہی۔ اس دوران انہیں کافی مشقت کا سامنا کرنا پڑا اور کھڑے کھڑے وہ مایوس سے ہو گئے تھے کہ ملاقات ہوگی یا نہیں۔

سوال(2) نذیر احمد جب ہندوستانی بڑے افسر سے ملاقات کرتے تو ان کا کیا حال ہوتا تھا۔

جواب: ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے مضمون ''انگریز افسر سے ملاقات'' میں ایک انگریز افسر سے ملاقات میں ہونے والی تاخیر کا ذکر کیا ہے۔کافی عمر ہونے کے سبب انہیں چلنا دشوار تھا۔لیکن افسر سے ملنا بھی ضروری ہوتا تھا وہ ہانپتے کانپتے افسر کے گھر میں داخل ہوتے ہیں۔کافی دور چلنے کے بعد انہیں افسر کے گھر میں اوپر جانے کا موقع ملتا ہے وہاں بھی دو گھنٹے انتظار کے بعد افسر انہیں ملاقات کے لیے طلب کرتا ہے اس ساری کاروائی سے نذیر احمد کافی پریشان ہو جاتے ہیں۔

سوال(3) خدمت گار اور اردلی نے جو انگریز افسر کے ملازم تھے نذیر احمد کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کیا تھا۔

جواب: ڈپٹی نذیر احمد نے اپنے مضمون ''انگریز افسر سے ملاقات'' میں ایک انگریز افسر سے ملاقات میں ہونے والی تاخیر کا ذکر کیا ہے۔انگریز افسر کے چپراسی بھی کافی دماغ والے تھے۔انہوں نے جب نذیر احمد کو دیکھا تو ادھر ادھر ہو گئے اور ان کے قریب بھی نہیں آئے جب انہوں نے کسی طرح ایک چپراسی کو اپنی آمد کی اطلاع دی تو اس نے انہیں مکان کے اوپر کے حصے میں انتظار کرنے کے لیے کہا اور بیٹھنے کی کوئی جگہ بھی نہیں تھی۔کافی انتظار کے بعد چپراسی انہیں صاحب کے کمرے میں لے جاتا ہے اور جب وہ افسر سے

ملاقات کے بعد باہر نکلتے ہیں سب چپراسی انہیں گھیر لیتے ہیں۔اور انعام کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں۔اس پر نذیر احمد تعجب کرتے ہیں کہ ایک افسر سے ملاقات کے لیے اتنے مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

IV. طویل سوالات کے جوابات لکھیے۔

سوال (1) ''انگریز افسر سے ملاقات'' مضمون کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

جواب: (جواب کے لیے سبق کا خلاصہ پڑھیں)

سوال (2) ڈپٹی نذیر احمد کے تعلق سے آپ کیا جانتے ہیں۔

جواب: (جواب کے لیے مصنف کا تعارف پڑھیں)



# 2 سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر

## شبلی نعمانی

---

## مصنف کا تعارف

علامہ شبلی نعمانی (1857-1914) اردو کے مشہور مورخ، محقق، نقاد، سوانح نگار، شاعر و ادیب گزرے ہیں۔ 3/ جون 1857ء کو ضلع اعظم گڑھ کے موضع بندول میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ حبیب اللہ تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی مولوی فاروق چریا کوٹی سے حاصل کی۔ 18 سال کی عمر میں منطق، فلسفہ، ادب، فقہ، تفسیر اور حدیث وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔ جس کے بعد چند دنوں تک دیوانی عدالت کے امین رہے۔ سمیع الدین خاں کی سفارش پر سرسید احمد خاں نے پروفیسر کے عہدہ پر فائز کیا۔ سولہ سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اور اسی دوران قسطنطنیہ، مصر اور ترکی وغیرہ ممالک کا دورہ کیا۔ علمی و ادبی دنیا میں اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے شہرت حاصل کی۔

شبلی نعمانی کا خاص میدان سیرت نگاری تھا۔ سیرت کے موضوع پر ان کی لکھی ہوئی کتابیں " الفاروق، المامون، سوانح مولانا روم، سیرت النعمان اور الغزالی اہمیت کی حامل ہیں۔ سوانح نگاری میں ان کی کتابیں بیانِ خسرو، حیاتِ حافظ، خسرو مازیب النسا بیگم اور حیات سعدی اہم ہیں۔ اسلامیات میں انہوں نے علم الکلام، الکلام، اسلامی مدارس اور

دار العلوم، کتاب الجزیہ اور اسلام کی عالمگیر خدمات لکھیں۔تنقید میں شعرالعجم اور موازنہ انیس و دبیر ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ان کا سفرنامہ روم و مصر و شام 1892ء میں شائع ہوا۔سیرت النبی ﷺ کی چار جلدیں ان کی شاہکار ہیں۔شاعری میں مثنوی ''صبح امید'' اور ''کلیات شبلی'' اہم ہیں۔اس کے علاوہ مضامین شبلی، مقالات شبلی، اور خطبات شبلی ان کی تصنیفات ہیں۔1892ء میں ترکی حکومت نے انہیں ''تمغہ مجیدی'' سے نوازا۔1894ء میں حکومت برطانیہ نے انہیں ''شمس العلماء'' کا خطاب دیا۔سرسید کے انتقال کے بعد 1898ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے سبکدوش ہوئے اور سلسلہ آصفیہ کے شعبہ مصنفین سے وابستہ ہوئے۔ریاست حیدرآباد کے مدارس کے لیے جدید علوم وفنون سے مربوط نصاب تیار کیا۔1913ء میں ندوۃ العلماء کی تنگ نظری سے بیزار ہو کر دارالمصنفین اعظم گڑھ کی بنیاد رکھی اور رسالہ ''معارف'' جاری کیا۔شبلی نعمانی اردو کے مشہور محقق، مورخ، فلسفی، ناقد، ماہر تعلیم، معلم، شاعر اور واعظ کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔انہوں نے اردو کی ادبی تاریخ میں سوانح نگار، سیرت نگار، سفرنامہ نگار، تنقید نگار، محقق اور صحافی کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔انہوں نے سرسید کی صحبتوں سے فائدہ اٹھایا۔جس کے نتیجے میں شعرو ادب کی دنیا میں انہیں بلند مقام حاصل ہوا۔وہ سرسید کے رسالہ تہذیب الاخلاق کے ابتدائی مضمون نگاروں اور تبصرہ نگاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔شبلی کا انتقال 18/ نومبر 1914ء کو اعظم گڑھ میں ہوا۔

## ❖ خلاصہ

علامہ شبلی نعمانی (1857-1914) اردو کے مشہور مورخ، محقق، نقاد، سوانح نگار، شاعر و ادیب گزرے ہیں۔انہوں نے اپنے مضمون ''سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر'' سرسید احمد خان کی انشاء پردازی کی خصوصیات بیان کی ہیں۔شبلی لکھتے ہیں کہ سرسید احمد خان ایک مصلح قوم کے طور پر مشہور ہوئے لیکن ان کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی مضمون نگاری اور انشاء پردازی سے اردو زبان کو سادگی عطا کی۔سرسید سے قبل اردو میں داستانیں لکھی جاتی تھیں اور شاعری میں عشق و عاشقی کی باتیں بیان ہوتی تھیں۔سرسید نے زمانے کی تبدیلی سے لوگوں کو واقف کرانے کے لیے اردو میں تاریخی، تہذیبی و معاشرتی مضامین لکھے۔ان کی کوشش سے اردو میں ہر قسم کے موضوعات پر اظہار خیال کیا جانے لگا۔شبلی لکھتے ہیں کہ سرسید کے دور میں دہلی میں باکمال لوگ تھے۔سرسید کو غالب۔مفتی صدرالدین آزردہ اور مولانا صہبائی جیسے بزرگوں سے فیض اٹھانے کا موقع ملا۔زمانے کے مزاج کے اعتبار سے سرسید نے شاعری کی کوشش کی اور آہی تخلص اختیار کرتے ہوئے ایک مثنوی بھی لکھی۔لیکن بہت جلد انہوں نے شاعری کو ترک کر دیا اور انشاء پردازی کی جانب راغب ہوگئے۔سرسید سے قبل اردو میں میر امن کی داستان باغ و بہار کے ذریعے اردو نثر کو سادگی عطا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔مولوی محمد باقر نے اردو اخبار نکالا تھا اور خود سرسید نے سید الاخبار نکالا تھا جس سے اردو نثر کو سادگی عطا کرنے کی مہم شروع ہوئی تھی۔سرسید کی تاریخی عمارتوں پر مبنی کتاب ''آثار الصنادید'' میں سرسید نے

فارسی آمیزی اختیار کی تھی کیوں کہ سادہ نثر کو علمی زبان نہیں مانا جاتا تھا۔مرزا غالب نے اپنی بے مثال اردو مکتوب نگاری شروع کی اور مراسلہ کو مکالمہ بنا دیا۔اردو نثر کی یہ سب مثالیں سَرسید کے سامنے تھیں۔1870ء میں سرسید احمد خان نے تہذیب الاخلاق اخبار جاری کیا۔جس میں انہوں نے جو مضامین لکھے وہ انشاء پردازی کا کمال ہیں۔انہوں نے اخبار کی اشاعت کے دوران لکھا کہ تشبیہات واستعارات سے بھری زبان میں چاشنی تو ہوسکتی ہے لیکن اس سے کسی مقصد کی تکمیل نہیں ہوسکتی اس لیے انہوں نے اردو زبان کو سادگی عطا کرنے کی شعوری کوشش کی۔

شبلی نے سرسید کی انشاء پردازی کی خصوصیات کو ان کے مختلف مضامین کی مثالوں سے واضح کیا۔سرسید کی نثر نگاری کے بارے میں شبلی لکھتے ہیں کہ انہوں نے جس عنوان پر مضمون لکھا اسے کمال تک پہونچایا۔ان کے مضمون ''امید کی خوشی'' سے ان کی انشاء پردازی کی خصوصیات بیان کی گئیں۔سرسید نے انگریزی زبان کے مضامین کو اردو میں آسان زبان میں پیش کیا۔سرسید نے علمی موضوعات کو بھی آسانی سے سمجھایا۔مشکل سے مشکل بات کو وہ اس قدر آسانی سے سمجھا دیتے تھے کہ قاری کو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی قصہ پڑھ رہا ہو۔سرسید کے مضامین میں شوخی وظرافت بھی ہوتی تھی۔لوگ ان کے مذہبی عقائد پر جب طنز کرتے تو سرسید مزاحیہ انداز میں ان کا جواب دیتے تھے۔مجموعی طور پر تہذیب الاخلاق اور دیگر تصانیف کے ذریعے سرسید نے اردو نثر کو سادگی عطا کی اور اردو انشاء پردازی کی شاندار مثالیں اردو ادب میں پیش کیں۔

### ❖ مرکزی خیال

شبلی نعمانی نے اپنے مضمون ''سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر'' میں مختلف مثالوں سے واضح کیا کہ اردو نثر کے تشکیلی دور میں انہوں نے نثر کو سادگی عطا کی اور بہت سے علمی مضامین کو اپنی بے مثال انشاء پردازی کے ذریعے قابل فہم بنایا۔

### ❖ مشکل الفاظ کے معنی

| | | |
|---|---|---|
| رفارمیشن | : | درستی۔اصلاح |
| جامعیت | : | ہمہ گیری۔مکمل |
| تصنیف وتالیف | : | لکھنا۔ترتیب دینا |
| اقتضا | : | تقاضہ۔ضرورت |
| انشاء پردازی | : | مضمون نگاری۔مضمون لکھنے کا طریقہ |
| مکاتبات | : | مکتب کی جمع۔مدرسے |
| ہم عصر | : | ایک وقت کے۔ایک زمانے کے |
| بے ساختگی | : | سادگی۔بناوٹ نہ ہونا |
| مستفید | : | فائدہ اٹھانے والا |
| رزم | : | جنگ۔معرکہ |
| جستہ جستہ | : | کم کم۔کہیں کہیں |
| گہوارہ | : | جھولا۔پنڈولا |

| | | |
|---|---|---|
| بے سود | : | بے فیض۔بے فائدہ |
| مساعدت | : | اعانت۔مدد |
| دلآویزی | : | دل لبھانا |
| حرمین شریفین | : | مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ |
| کم مایہ | : | تھوڑی پونجی والا |
| تکفیر | : | کفر کا فتویٰ |
| مقبوضہ | : | قبضہ کیا ہوا |
| مصداق | : | مماثل۔اس جیسا |

I. مندرجہ ذیل کی بحوالہ متن تشریح کیجیے۔

(1) ''سرسید کی بدولت اردو اس قابل ہوئی کہ عشق و عاشقی کے دائرہ سے نکل کر ملکی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی، ہر قسم کے مضامین اس زور و اثر وسعت و جامعیت سادگی اور صفائی سے ادا کرسکتی ہے کہ اس کے استاد یعنی فارسی زبان کو آج تک یہ بات نصیب نہ ہوئی''۔

حوالہ: یہ عبارت شبلی نعمانی کے تحریر کردہ مضمون ''سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں شبلی نعمانی نے سرسید احمد خان کی انشاء پردازی کی اہمیت بیان کی اور لکھا کہ سرسید نے اپنی تحریروں میں جس طرح سادگی سلاست اور روانی پیش کی اس سے اردو زبان کو اس زمانے میں سادگی ملی جب کہ یہ زبان داستانوں اور شاعری میں عشق

و عاشقی کے موضوعات بیان کرنے تک محدود تھی۔انیسویں صدی میں جب ہندوستان کے حالات بدلے تو اردو زبان میں بھی علمی موضوعات بیان ہونے لگے جس کے لیے سادہ زبان کی ضرورت تھی اور سرسید نے اپنی انشاء پردازی سے اردو زبان کو اس قابل بنایا کہ اس میں ہر قسم کے علمی مضامین آسانی سے بیان ہونے لگے۔

**مرکزی خیال:** اردو زبان پر سرسید کا احسان ہے کہ انہوں نے عشق و عاشقی کے موضوعات بیان کرنے والی زبان کو سادگی عطا کرتے ہوئے اسے علمی زبان بنایا۔

(2) ''بعض بالکل ان کے دامن تربیت میں پلے ہیں۔بعضوں نے دور سے فیض اٹھایا ہے''۔

حوالہ: یہ عبارت شبلی نعمانی کے تحریر کردہ مضمون ''سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر'' سے لی گئی ہے۔

**تشریح:** اس عبارت میں اردو کے اہم نثر نگاروں پر سرسید کے اثرات کو بیان کیا گیا ہے۔سرسید نے علی گڑھ تحریک کے نام سے ایک اصلاحی تحریک شروع کی تھی۔جس کے لیے ان کے رفقاء نے اردو زبان میں سادگی سے سوانح' ناول اور تنقید لکھی تھی۔نذیر احمد' حالی'محسن الملک' وقار الملک ان کے رفقاء تھے۔جنہوں نے راست سرسید سے تربیت حاصل کی تھی کچھ لوگ سرسید کی تحریریں پڑھ کر ان کے انداز سے متاثر ہوئے اور سادہ اسلوب اختیار کیا۔اس طرح سرسید کی کوششوں سے اردو زبان و ادب کو سادگی ملی۔

**مرکزی خیال:** سرسید نے اپنے رفقاء کو اردو زبان کو سادگی سے استعمال کرنے کی

ترغیب دی جس سے اردو ناول، سوانح نگاری اور دیگر اصناف میں سادگی پیدا ہوئی۔

(3) ''لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو شاعری سے مناسبت نہ تھی۔اس لیے وہ بہت جلد اس کوچہ سے نکل آئے اور نثر کی طرف توجہ کی''۔

حوالہ: یہ عبارت شبلی نعمانی کے تحریر کردہ مضمون ''سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں شبلی نعمانی نے سرسید کی شاعری سے نثر نگاری کی طرف رخ کرنے کا ذکر کیا ہے۔سرسید نے ابتداء میں شاعری کی کوشش کی اور آہی تخلص اختیار کرتے ہوئے ایک مثنوی لکھی تھی۔لیکن انیسویں صدی کے ہندوستان میں جب کہ حالات بدل رہے تھے۔ضرورت اس بات کی تھی کہ عشق و عاشقی کی باتیں چھوڑ کر علوم کی بات کی جائے چنانچہ سرسید احمد خان نے اردو میں علمی موضوعات پر مضامین لکھ کر اردو زبان کو سادگی عطا کی اور وہ خود شاعری چھوڑ کر اردو انشاء پردازی کی طرف راغب ہوئے۔

❖ مرکزی خیال

سرسید احمد خان نے ابتداء میں شاعری کی کوشش کی لیکن بعد میں انشاء پردازی کی طرف راغب ہوئے اور اردو کے نامور مضمون نگار انشاء پرداز اور ادیب کہلائے۔

(4) ''سرسید کی انشاء پردازی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے مختلف مضامین پر کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ لکھا ہے۔اور جس مضمون کو لکھا ہے

اس درجہ پر پہونچا دیا ہے کہ اس سے بڑھ کرنا ممکن ہے۔"

حوالہ: یہ عبارت شبلی نعمانی کے تحریر کردہ مضمون ''سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں شبلی نعمانی نے سرسید کی مضمون نگاری کی خصوصیات بیان کی ہیں۔شبلی لکھتے ہیں کہ سرسید نے مختلف موضوعات پر مضامین لکھے اور جو کچھ مضامین لکھے انہیں کمال کے درجے تک پہونچادیا۔سرسید واضح انداز میں لکھتے تھے اور اپنی بات کو قاری تک پہونچا دیتے تھے ان کی نثر میں دلچسپی اور تازگی بھی ہوتی ہے۔

مرکزی خیال: سرسید کے مضامین جامع اور معلوماتی ہوتے ہیں۔انہوں نے مضمون نگاری میں کمال پیدا کیا۔

II. ذیل کے سوالات کے جوابات ایک سطر میں لکھیئے۔

سوال (1) مولانا شبلی کب اور کہاں پیدا ہوئے۔

جواب: مولانا شبلی 1857ء میں بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔

سوال (2) مولانا شبلی کا انتقال کب ہوا۔

جواب: مولانا شبلی کا انتقال 1914ء میں ہوا۔

سوال(3) مولانا شبلی کی کوئی دو کتابوں کے نام لکھئے۔

جواب: الفاروق۔الغزالی۔

سوال(4) مولانا شبلی کس ضلع میں پیدا ہوئے۔

جواب: بندول ضلع اعظم گڑھ

سوال(5) مولانا شبلی نے اپنی کتاب ''شعرالعجم'' کتنی جلدوں میں لکھی ہے۔

جواب: پانچ جلدوں میں

III. مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات چار سطروں میں لکھئے۔

سوال(1) سرسید کی نشوونما میں اہل دلی کا کیا کردار رہا ہے۔

جواب: شبلی نعمانی نے اپنے مضمون ''سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر'' میں سرسید کی انشاء پردازی کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھا کہ سرسید کے دور میں دہلی میں باکمال لوگ تھے۔ سرسید کو غالبؔ۔ مفتی صدرالدین آزردہؔ اور مولانا صہبائی جیسے بزرگوں سے فیض اٹھانے کا موقع ملا۔ سرسید نے ان ماہرین کی نثر سے استفادہ کیا۔ اور زمانے کے تقاضوں کے اعتبار سے اردو نثر کو سادگی عطا کی تاکہ علمی مضامین سادہ زبان میں بیان ہوسکیں۔ سرسید نے شاعری کی کوشش کی اور آہیؔ تخلص اختیار کرتے ہوئے ایک مثنوی بھی لکھی۔ لیکن بہت جلد انہوں نے شاعری کو ترک کردیا اور انشاء پردازی کی جانب راغب ہوگئے۔

سوال(2) ''آثار الصنادید'' میں کس کا ذکر ہے لکھئے۔

جواب: آثار الصنادید سرسید احمد خان کی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں سرسید احمد خان نے دہلی کی تاریخی عمارتوں اور دہلی کی تہذیب اور دہلی کی اہم شخصیات کا تعارف پیش کیا ہے۔ سرسید نے یہ کتاب اس لیے لکھی کہ انگریزوں کو پتہ چلے کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے

کیا کارنامے انجام دیئے اور دہلی کی تاریخی عمارتوں کی تفصیلات کیا ہیں۔اس کتاب کے مطالعے سے دہلی کی تاریخ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

سوال (3) ''تہذیب الاخلاق'' کے تعلق سے آپ کیا جانتے ہیں۔

جواب: سرسید احمد خان نے 1870ء میں تہذیب الاخلاق نامی اخبار جاری کیا۔اس اخبار کے اجراء کا مقصد اردو صحافت کے ذریعے اس وقت کے ہندوستانیوں کو خوب غفلت سے جگانا اور ان کی ہر لحاظ سے شعور بیداری تھا۔سرسید نے اس اخبار میں کئی معلوماتی مضامین لکھے اور مسلمانوں کو تہذیبی وثقافتی اعتبار سے جگانے، انگریزی تعلیم کے ثمرات سے واقف کرانے اور اس دور کے تقاضوں کے اعتبار سے خود کو ہم آہنگ کرنے کے لیے تیار کیا۔اس اخبار میں سرسید کے رفقاء نے بھی لکھا۔یہ اخبار سرسید نے برطانیہ کے اخبارات اسپیکٹیٹر اور ٹیٹلر کے طرز پر جاری کیا تھا۔اور اپنے دور میں کافی مقبول رہا تھا۔

IV. طویل سوالات کے جوابات لکھیئے۔

سوال (1) مولانا شبلی پر ایک تفصیلی مضمون لکھیئے۔

جواب: (جواب کے لیے مصنف کا تعارف پڑھیں)

سوال (2) مضمون ''سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر'' کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالیے۔

جواب: (جواب کے لیے مضمون کا خلاصہ پڑھیں)



# 3 دیا سلائی

خواجہ حسن نظامی

## انشائیہ کی تعریف

انشائیہ ادب کی ایک نہایت ہی لطیف صنف ہے۔ کسی مضمون ہی کو جب ایک خاص انداز میں تحریر کیا جاتا ہے، جس کی بے ترتیبی کا اپنا ایک ربط ہوتا ہے اور بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے بظاہر اسی بے ترتیبی سے وجود میں آنے والی صنف کو، جس میں ایک شعوری ربط و تسلسل قائم رہتا ہے، انشائیہ کہتے ہیں۔

انشائیہ کے لغوی معنی عبارت، بات پیدا کرنا اور طرز تحریر وغیرہ ہیں انشائیہ نثری ادب کی وہ صنف ہے، جو ایک مختصر ادبی مضمون کی مانند ہوتے ہوئے بھی مضمون سے الگ انداز رکھتا ہے۔ اس میں تاثرات ومشاہدات، وغیرہ بیان کیے جاتے ہیں، شگفتگی اور شائستگی اِس کا اہم عنصر ہے۔ انشائیہ نگار کا انداز بیان خشک نہ ہو کر پر لطف اور دلچسپ ہوتا ہے۔ اس کی ہیئت گرچہ نثری صنف کی ہے لیکن یہ اپنے اندر شاعری کا سا لطف رکھتا ہے۔ انشائیہ میں انشائیہ نگار اپنی تحریر سیل رواں کی مانند آزادانہ طور پر شعوری رو میں بہتا ہوا پیش کرتا ہے، جس میں اس کی شخصیت کا پہلو بھی نمایاں نظر آتا ہے اور بغیر کسی خاص نتیجے کے بات کو ختم کیے فیصلہ قاری پر چھوڑ دیتا ہے۔

اردو میں مضمون انگریزی کے 'Essay' کا ہم معنی ہے۔ جبکہ انشائیہ کے لیے انگریزی میں لائٹ ایسّے (ESSAY LIGHT) کا استعمال ہوتا ہے۔ ابتدا میں اردو کے مضامین ہی میں انشائیہ کی تلاش کی گئی جبکہ انشائیہ کا تعلق لائٹ ایسے سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردوداں طبقے کا ذہن اپنی قدیم تحریروں کوانشائیہ سے کم سمجھنے پر تیار نہ تھا اور دوسری جانب کچھ افراد ایک عرصے تک انگریزی لفظ 'ایسے' (ESSAY) کے گرد ہی گردش کرتے رہے۔ یہ کہنا درست ہے کہ بیسویں صدی میں 1946ء کے آس پاس 'اختر اورینوی' نے انشائیہ کا لفظ مخصوص معنی میں ایک کتاب کے دیباچہ میں استعمال کیا۔ لیکن وہ اس کا اطلاق انشائیہ پر اس لیے نہ کر سکے کیوں کہ اس وقت تک اردو انشائیہ اپنی مکمل وحدت و ہیئت میں سامنے نہیں آیا تھا۔ اس کا وجود منتشر اور لخت لخت تھا۔ اس لیے اس لفظ انشائیہ کو مناسب فروغ حاصل نہ ہوسکا۔ یہی وجہ ہے کے انشائیہ کی اصطلاح کے بارے میں بہت سے ناقدین کی تحریروں سے کوئی واضح خاکہ نہیں ابھرتا۔ اردو کے اہم انشائیہ نگاروں میں محمد حسین آزاد سرسید کے رفقاء میں بالخصوص نواب محسن الملک، نواب وقار الملک، مولوی چراغ علی، محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، الطاف حسین حالی، مولوی ذکاء اللہ اور وحید الدین سلیم کے علاوہ جن انشائیہ نگاروں نے بیسویں صدی میں اس فکر وفن کو وسعت بخشی ان میں میر ناصر علی دہلوی، نیاز فتح پوری، سجاد حیدر یلدرم، منشی پریم چند، مولوی عزیز مرزا، سید احمد دہلوی، مولانا خلیق دہلوی، سلطان حیدر جوش، مہدی افادی، سجاد انصاری، فلک پیماں، مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی، فرحت اللہ بیگ،

رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، کرشن چندر، اکبر علی قاصد، مشتاق احمد یوسفی اور مجتبیٰ حسین وغیرہ قابل ذکر نام اس طرح ہیں:

## ❖ مصنف کا تعارف

خواجہ حسن نظامی (1878-1955) اردو کے نامور ادیب اور انشاء پرداز گزرے ہیں۔ وہ ایک صوفی بزرگ تھے۔ ان کا اصلی نام سید علی حسن تھا۔ حضرت نظام الدین اولیاء کے سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لیے نظامی کہلائے۔ دلی کی بستی نظام الدین میں 1878ء کو پیدا ہوئے۔ کم عمر میں ہی ان کے والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس لیے خواجہ حسن نظامی کی تعلیم و تربیت کے فرائض ان کے بڑے بھائی سید حسن علی شاہ نے انجام دیئے۔ فارسی کی چند کتابیں اور عربی صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی۔ انہیں زیادہ تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ خاصی بڑی عمر میں انگریزی پڑھنے کی کوشش کی لیکن زیادہ کامیاب نہ ہو سکے۔ خواجہ حسن نظامی کا انتقال 31 جولائی 1955ء کو دہلی میں ہوا۔ اور بارگاہ حضرت نظام الدینؒ میں دفن ہوئے۔

خواجہ حسن نظامی کا خاندانی سلسلہ پیری مریدی کا تھا۔ اس لیے وہ خود بھی پیر بن گئے۔ اور ان کے مریدوں کی تعداد ساٹھ ہزار سے زائد ہو گئی۔ طبعیت میں تصوف اور فقر کی طرف بہت لگاؤ تھا۔ وضع قطع بھی نرالی تھی۔ تصنیف و تالیف کے کاموں میں بہت زیادہ دلچسپی تھی۔ ان کی کتابوں کی مجموعی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ اردو میں شائد ہی کوئی

دوسرا ادیب اتنی زیادہ کتابوں کا مصنف ہوگا۔وہ محنتی آدمی تھے۔بقول خود ان کے وہ ایک مہینہ میں ایک کتاب تیار کر لیتے تھے۔موضوع کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرتے تھے۔ایسے موضوعات کا انتخاب کرتے جن پر ابھی تک کچھ نہ لکھا گیا ہو۔اسی لیے موضوعات کے لحاظ سے ان کی تحریریں اردو نثر میں اضافہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔تاہم ٹھوس علمی و ادبی کاموں کو انہوں نے ہاتھ نہیں لگایا۔اور زیادہ تر ہلکے پھلکے انشائیے ہی لکھتے رہے۔ 1857ء کی بربادی کے بعد قلعہ کی بیگمات کو بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ان حالات کو خواجہ حسن نظامی نے ''بیگمات کے آنسو'' میں لکھا ہے۔ان میں زیادہ تر سچے ہیں لیکن کچھ افسانے ہیں۔وہ بہت دلکش زبان اور پر اثر انداز کے مالک تھے۔ان کے انشائیوں میں گل بانو' جھینگر کا جنازہ' اُلو اور ''گلاب تمہارا کیکر ہمارا'' شاہکار سمجھے جاتے ہیں۔ اور انشائیہ نگاری کی کسوٹی پر پورتے اترتے ہیں۔

❖ خلاصہ

خواجہ حسن نظامی (1878-1955) اردو کے نامور ادیب اور انشاء پرداز گزرے ہیں۔وہ ایک صوفی بزرگ تھے۔انہوں نے معمولی موضوعات پر دلچسپ انشائیے لکھے۔چنانچہ اپنے انشائیہ ''دیا سلائی'' میں انہوں نے معمولی قدر و قیمت کی دیا سلائی یعنی ماچس کی کاڑی پر دلچسپ انشائیہ لکھا۔انشائیہ نگار اور دیا سلائی کی گفتگو سے انہوں نے یہ واضح کر دیا کہ اشرف المخلوقات سمجھا جانے والا انسان بعض باتوں

میں دیا سلائی سے بھی زیادہ حقیر اور کم تر ہے۔دیا سلائی انشائیہ نگار سے گفتگو کرتی ہے نام پوچھنے پر کہتی ہے کہ میں ناچیز ایک تنکا ہوں میرا نام دیا سلائی ہے۔ میں اصل میں جنگل سے تعلق رکھتی ہوں لیکن احمد آباد کے کارخانوں میں مجھے ڈھالا جاتا ہے اور میں ماچس کہلانے والے چھوٹے سے بکس میں رہتی ہوں۔اپنے مقام کے بارے میں وہ کہتی ہے کہ میں ہندوستانی ہوں اور میرا رنگ کالا ہے۔جب انشائیہ نگار اسے رانی کہتے ہیں تو وہ جواب دیتی ہے کہ میں رانی نہیں بیگم ہوں اور مجھے سب سے پہلے منشی فتح اللہ خان نے بنایا۔ انشائیہ نگار جب اس کی حقیقت بیان کرتے ہیں کہ وہ لکڑی سے آرے میں تکڑے تکڑے ہوتی ہے۔اس کے ایک سرے پر گندھک لگایا جاتا ہے۔مشینوں میں دبایا جاتا ہے اور بڑے مراحل طے کرنے کے بعد اس حالت کو پہونچی ہے اور اپنے آپ کو بیگم کہتی ہے۔تب دیا سلائی جواب دیتی ہے کہ حضرت آپ تو غصہ میں آگئے میں مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئی اس لیے رانی کے بجائے بیگم کہلانا پسند کرتی ہوں۔دیا سلائی انسانوں پر طنز کرتے ہوئے کہتی ہے کہ وہ ہندو اور مسلمان سب کے گھر میں جلانے کے کام آتی ہے۔مندر اور مسجد میں اس کی وجہہ سے روشنی ہے۔وہ کہتی ہے کہ میں امیر اور غریب کے گھروں میں روشنی کرتی ہوں۔یہ سب نام کی بحث ہے ورنہ میں کام تو سب کے کرتی ہوں وہ انسانوں کو ان کی اصلیت دکھاتے ہوئے کہتی ہے کہ جو کام ہندو کرتے ہیں وہ مسلمان نہیں کرتے۔گورے اور کالے میں فرق کیا جاتا ہے۔غریبوں کو تو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا۔ یہ سن کر انشائیہ نگار دیا سلائی کو بی فتنی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمہیں

انسان کی حقیقت کیا معلوم ہے خدا نے اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے دنیا کے اسرار کا علم بخشا۔ انسان جو کچھ کرتا ہے خدا کی مرضی سے کرتا ہے۔ یہ سن کر دیا سلائی جواب دیتی ہے کہ انسان کو اپنے اشرف ہونے پر غرور ہے۔ اللہ نے اسے چیزوں کے نام بتا دیئے لیکن چیزوں کی حقیقت وہ نہیں جانتا انسان بجلی تو کیا ایک حقیر تنکے کی حقیقت سے بھی واقف نہیں۔ مجھے دیکھیئے ایک حقیر تنکا ہوں لیکن ایک رگڑ سے شعلہ پیدا ہوتا ہے یہ سب خدا کی مرضی سے ہوتا ہے۔ اللہ نے اس دنیا میں ہوا پانی اور روشنی کو عام کیا لیکن انسان ان سب کو اپنے لیے مخصوص کر لینا چاہتا ہے۔ انسان دولت پر قبضہ کر کے اپنی مرضی چلانا چاہتا ہے۔ ایک طرف دولت مند کروڑ پتی ہے تو دوسری طرف لاکھوں غریب بھوک سے مر جاتے ہیں۔ کیا ایسے لالچی انسان کو خدائی خلافت کا دعویٰ کرنا زیب دیتا ہے۔ اس طرح کی باتیں کرتے ہوئے دیا سلائی انشائیہ نگار کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ دیا سلائی کی باتیں سن کر انشائیہ نگار کہتے ہیں کہ خدا تمہاری تیز زبان کو چلاتا رہے میں ہارا تم جیتیں۔

**مرکزی خیال:** خواجہ حسن نظامی نے انشائیہ ''دیا سلائی'' میں ایک حقیر تنکے کو انسانوں کے مقابلے میں اہم قرار دیا ہے۔ اور قومی یکجہتی کے معاملے میں انسانوں سے زیادہ اس کی اہمیت اجاگر کی ہے کہ وہ حقیر تنکا ہوتے ہوئے بھی سب کی مدد کرتی ہے جب کہ انسان مذہب اور دولت وطاقت کے نام پر اپنے جیسے انسانوں سے بھید بھاؤ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ خواجہ حسن نظامی نے اس انشائیہ سے یہ بھی سبق دیا ہے کہ انسان کو کسی چیز کو حقیر نہیں

سمجھنا چاہیئے۔اور اپنے آپ کو غرور کا اظہار نہیں کرنا چاہیئے۔اللہ نے اس کائنات میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی کچھ خاص مقصد کے ساتھ بنایا ہے۔

## ❖ مشکل الفاظ کے معنی

| | | |
|---|---|---|
| کے آمدی کے پیر شدی | : | تھوڑے سے تجربے پر اترانے والا |
| گریباں میں منہ ڈالنا | : | شرمندہ ہونا۔غور کرنا |
| تراشیدہ | : | چھلا ہوا۔کاٹا ہوا |
| پیچ وتاب | : | غصہ۔بے قراری۔بے چینی |
| کھپچی | : | بانس کا چیرا ہوا ٹکڑا۔ |
| خانہ زاد | : | مالک کے گھر میں پیدا ہونے والا غلام |
| مشرب | : | پانی پینے کی جگہ۔چشمہ۔طور وطریقہ |
| خلیفہ | : | جانشین |
| اسرار | : | راز۔پوشیدہ باتیں |
| طرّار | : | تیز |
| غرہ | : | گھمنڈ |

I. مندرجہ ذیل کی بحوالہ متن تشریح کیجیے۔

(1) ''یہ احمد آباد ناروے یا سویڈن کے پاس کوئی نیا مقام ہے؟ کیوں کہ

آپ کی بستیاں انہیں علاقوں میں سنی جاتی ہیں''۔

حوالہ: یہ عبارت خواجہ حسن نظامی کے انشائیہ ''دیا سلائی'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں خواجہ حسن نظامی اور دیا سلائی کی گفتگو کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب دیا سلائی اپنا نام اور مقام بتاتی ہے کہ اسے دیا سلائی کہتے ہیں اور وہ احمد آباد میں پیدا ہوئی ہے۔ انشائیہ نگار پوچھتے ہیں کہ یہ احمد آباد بیرون ملک ناروے یا سویڈن کے قریب کوئی مقام ہے کیا؟ کیوں کہ دیا سلائی وہیں پائی جاتی ہے تب دیا سلائی کہتی ہے کہ میری رنگت کالی ہے اس طرح میں ہندوستانی ہوں۔ اگر بیرون ملک کی ہوتی تو گوری ہوتی۔

مرکزی خیال: دیا سلائی انشائیہ نگار سے گفتگو کرتے ہوئے کہتی ہے کہ اس کا تعلق احمد ہندوستان سے ہے کیوں کہ اس کا رنگ سیاہ ہے۔

(2) ''حضرت آپ کو تو غصہ آ گیا۔ خفگی کی کیا بات ہے جو چیز جہاں کی ہو اسی سے منسوب ہوتی ہے''۔

حوالہ: یہ عبارت خواجہ حسن نظامی کے انشائیہ ''دیا سلائی'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں خواجہ حسن نظامی اور دیا سلائی کی گفتگو کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب دیا سلائی کہتی ہے کہ میں مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئی ہوں اس لیے مجھے رانی کے بجائے بیگم کہا جائے تب انشائیہ نگار دیا سلائی کی تیاری کے سارے مراحل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کارخانوں میں آرے سے چھیلنے اور اس کی کاڑیوں کو تیزاب میں ڈبونے کے

باوجود دیا سلائی کو یہ غرور ہے کہ وہ اپنے آپ کو بیگم کہلانا پسند کرتی ہے تب دیا سلائی کہتی ہے کہ حضرت چونکہ میں مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئی اس لیے مجھے بیگم سے ہی منسوب کیا جائے کیوں کہ جو چیز جہاں کی ہوتی ہے وہیں سے منسوب ہوتی ہے۔

❖ مرکزی خیال:

دیا سلائی احمد آباد میں مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئی تھی اس لیے وہ اپنے آپ کو بیگم کہلانا چاہتی تھی۔

(3) بس بس خاموش رہو بی فتنی ہوتو اتنی سی مگر زبان بارہ ہاتھ کی ہے۔لگیں حد سے گزرنے۔تم کیا جانو آدم زاد کی کیا عالی شان ہے؟

حوالہ: یہ عبارت خواجہ حسن نظامی کے انشائیہ ''دیا سلائی'' سے لی گئی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں کہا گیا ہے کہ جب دیا سلائی کی جانب سے انسانوں کے کرتوت بیان کرنے پر انشائیہ نگار اسے بی فتنی کہتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات کا درجہ دیا اسے علم کی دولت دی دنیا کے اسرار سے واقف کرایا اور انسان جو کچھ کرتا ہے خدا کی مرضی سے کرتا ہے۔تب دیا سلائی اشرف المخلوقات کہلائے جانے والے انسان کی مزید حقیقت واضح کردیتی ہے کہ اسے دیا سلائی کی حقیقت کا ہی پتہ نہیں ہے۔کہ وہ حقیر ہونے کے باوجود بلا لحاظ مذہب وملت سب انسانوں کی خدمت کرتی ہے۔

مرکزی خیال: دیا سلائی کی بڑی باتیں سن کر انسان کہتا ہے کہ اسے انسانوں کی

حقیقت کا کیا پتہ وہ تو اشرف المخلوقات ہے۔

(4) ''اوہو آپ کو یہ غرہ بھی ہے ! بے شک آپ خلیفہ خدا ہیں۔مگر سب چیزوں کی حقیقت آپ کو معلوم نہیں''۔

حوالہ: یہ عبارت خواجہ حسن نظامی کے انشائیہ ''دیا سلائی'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں انسان کی جانب سے اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہے جانے پر دیا سلائی کے جواب کا ذکر کیا گیا ہے۔جب انسان دیا سلائی سے کہتا ہے کہ وہ تو حقیر تنکا ہے جب کہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور خدا نے اسے تمام اسرار کا علم بخشا ہے تب دیا سلائی کہتی ہے کہ انسان کو صرف نام معلوم ہیں چیزوں کی حقیقت کا پتہ نہیں ہے وہ بجلی کی حقیقت نہیں جانتا اور نہ ہی تنکے کی حقیقت جانتا ہے۔

❖ مرکزی خیال:

دیا سلائی انسان کو اس کی حقیقت سے آگاہ کرتی ہے کہ وہ چیزوں کے نام جانتا ہے ان کی حقیقت سے واقف نہیں ہے۔

II. ذیل کے سوالات کے جوابات ایک سطر میں لکھیئے۔

سوال(1) خواجہ حسن نظامی کے انشائیہ کا نام لکھیئے۔

جواب: دیا سلائی۔

سوال(2) خواجہ حسن نظامی کا اصل نام کیا ہے؟

جواب: سید علی حسن

سوال(3) خواجہ حسن نظامی کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

جواب: 1878ء میں بستی نظام الدین اولیاءؒ نئی دہلی۔

سوال(4) خواجہ حسن نظامی کا سلسلۂ نسب کس سے تعلق رکھتا ہے؟

جواب: حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

سوال(5) خواجہ حسن نظامی کی کتابوں کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: سو سے زیادہ

سوال(6) انشائیہ ''دیا سلائی'' کس کا لکھا ہوا ہے؟

جواب: خواجہ حسن نظامی

III. مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات چار سطروں میں تحریر کیجیے۔

سوال(1) دیا سلائی کا تعلق کس شہر سے ہے۔

جواب: خواجہ حسن نظامی نے اپنے انشائیہ ''دیا سلائی'' میں حقیر سمجھے جانے والی دیا سلائی

اورانسان کا مکالمہ بیان کیا ہے۔جب دیا سلائی سے اس کا نام اور پتہ پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ اس کا نام دیا سلائی ہے اور وہ گجرات میں احمد آباد کے قریب پیدا ہوئی۔وہ کہتی ہے کہ سب سے پہلے منشی فتح خان نے بنایا۔اس کا رنگ سانولا ہے۔جو ہندوستانی ہونے کی نشانی ہے۔احمد آباد سویڈن یا ناروے کا کوئی شہر نہیں بلکہ ہندوستان کا شہر ہے۔ چونکہ وہ ہندوستانی ہے اور مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئی ہے اس لیے اسے رانی کہنے کے بجائے بیگم کہا جائے۔

سوال(2) دیا سلائی رانی کے بجائے خود کو بیگم کیوں کہتی ہے۔

جواب: خواجہ حسن نظامی نے اپنے انشائیہ ''دیا سلائی'' میں حقیر سمجھے جانے والی دیا سلائی اور انسان کا مکالمہ بیان کیا ہے۔جب دیا سلائی کہتی ہے کہ اس کا وطن ہندوستان ہے اور وہ احمد آباد میں سب سے پہلے منشی فتح خان کی جانب سے تیار کی گئی ہے۔اس کا رنگ سانولا ہے جو ہندوستانیوں کا رنگ ہے۔یہ سن کر جب انسان اسے سب دیا سلائیوں کی رانی کہتا ہے۔تب دیا سلائی انسان کو جواب دیتی ہے کہ اسے رانی نہ کہا جائے بلکہ بیگم کہا جائے کیوں کہ وہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئی ہے۔

سوال(3) انسان خلیفہ ہونے کے باوجود کن چیزوں کی حقیقت اسے معلوم نہیں؟

جواب: خواجہ حسن نظامی نے اپنے انشائیہ ''دیا سلائی'' میں حقیر سمجھے جانے والی دیا سلائی اور انسان کا مکالمہ بیان کیا ہے۔جب دیا سلائی کی بڑی بڑی باتیں سن کر انسان اس سے کہتا

ہے کہ وہ تو حقیر تنکا ہے اس کی حقیقت کیا ہے جب کہ انسان کو اللہ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے دنیا کے سبھی چیزوں کے راز بتا دیئے ہیں تب دیا سلائی انسان کو اس کی حقیقت دکھاتے ہوئے جواب دیتی ہے کہ انسان کو صرف چیزوں کے نام معلوم ہیں ان کی حقیقت کا پتہ اسے نہیں ہے۔ وہ بجلی کی حقیقت بیان نہیں کر سکتا اور نہ ہی حقیر تنکے کے بارے میں وہ کچھ جانتا ہے۔ اس طرح دیا سلائی انسان کو اس کی حقیقت دکھا دیتی ہے۔

IV. طویل سوالات کے جوابات لکھیے۔

سوال (1) خواجہ حسن نظامی اپنے انشائیہ کے ذریعے کس چیز کی تلقین کرتے ہیں تفصیل سے لکھیے۔

سوال (2) انشائیہ "دیا سلائی" کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

جواب: (سوال نمبر (1) اور (2) کے جواب کے لیے انشائیہ کا خلاصہ پڑھیں)



# 4 سینما کا عشق

پطرس بخاری

## مصنف کا تعارف

پطرس بخاری (1898-1958) اردو کے مشہور مزاح نگار گزرے ہیں۔ان کا اصل نام احمد شاہ بخاری تھا۔ادب کی دنیا میں پطرس بخاری کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ پطرس اکتوبر 1898ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی۔اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ جہاں انہوں نے اپنی ذہانت و ذکاوت کے ایسے ثبوت فراہم کئے کہ استادوں کی نظر میں ان سے زیادہ محبوب و محترم کوئی دوسرا نہ ٹھہرا۔ کتب بینی سے شغف زمانہ طالب علمی سے ہی پیدا ہو گیا تھا۔ وطن واپسی پر وہ پہلے ٹریننگ کالج لاہور اور پھر گورنمنٹ کالج میں ادبیات انگریزی کے استاد مقرر ہوئے۔1937ء میں جب ریڈیو کا محکمہ کھلا تو وہ بہ حیثیت اسسٹنٹ کنٹرولر ملازمت میں شامل ہو گئے۔اور ترقی کرتے ہوئے 1940ء میں کنٹرولر جنرل مقرر ہوئے۔

اردو طنز و مزاح میں پطرس بخاری ایک ممتاز مقام اور منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔وہ مغربی ادب کے طنز و مزاح کے بہت بڑے پارکھ تھے۔انہوں نے مغربی طرز

مزاح کو اردو میں رواج دیا۔مگر خاص بات یہ ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے مشرقی ماحول اور یہاں کے تہذیبی پس منظر کو بھی ذہن میں رکھا جس کی وجہ سے ان کے مضامین اوریجنل اور اردو کے مزاج سے مکمل ہم آہنگی رکھتے ہیں۔

سات سال تک وہ اس عہدے پر فائز رہے۔اور انہوں نے جنگ کے دوران ایسی نمایاں خدمات انجام دیں کہ اندرون ملک اور غیر ممالک نے بھی ان کی خدمات کو سراہا۔اس زمانے میں اردو کے ممتاز ادیبوں کا ایک حلقہ جس میں کرشن چندر،منٹو،مجاز اور را .ندر سنگھ بیدی بھی شامل تھے۔ریڈیو سے وابستہ ہوگیا تھا۔اس طرح ریڈیو علم وفن اور شعروادب کا ایک مرکز بن گیا۔ان کے مضامین کا صرف ایک مختصر مجموعہ ''مضامین پطرس'' ہے۔جس میں کل گیارہ مضامین ہیں۔اس کے علاوہ دو چار مضامین مختلف رسالوں میں شائع ہوئے۔بس یہی ان کا کل سرمایہ ہے۔مگر اپنی ذہانت،ندرت خیال و شگفتگی بیان کی وجہ سے ان کی یہی تحریریں اردو ادب کا قیمتی سرمایہ بن گئی ہیں۔ان کی یہ کتاب آج بھی اہل ذوق کے لیے سرمایہ جان ہے۔

تقسیم ہند سے کچھ پہلے وہ لاہور چلے گئے۔جہاں وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوئے۔حکومت پاکستان نے انہیں کئی بین الاقوامی کانفرنسوں میں اپنا نمائندہ مقرر کیا۔وہ اقوام متحدہ کے محکمہ اطلاعات کے جنرل سکریٹری بھی رہے اور اسی دوران انہوں نے کولمبو یونیورسٹی میں ادبیات انگریزی کا درس دینے کی پیش کش قبول کی۔مگر

وقت آپہنچا اور ڈسمبر 1958ء کو نیویارک میں ان کا انتقال ہو گیا۔

❖ خلاصہ

پطرس بخاری (1898-1958) اردو کے مشہور مزاح نگار گزرے ہیں۔ نصابی کتاب میں شامل ان کا ایک مزاحیہ مضمون ''سینما کا عشق'' ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے اپنے دوست مرزا صاحب کے ساتھ ایک مرتبہ سینما دیکھنے جانے کا احوال دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ مضمون نگار لکھتے ہیں ہیں کہ اس مضمون کا عنوان کچھ عجب ہے لیکن اس کے ذریعے میں آپ کو سینما دیکھنے جانے کے دوران ہونے والے کچھ تکلیف دہ تجربات بیان کرنا چاہتا ہوں۔ پطرس لکھتے ہیں کہ انہیں سینما بینی کا شوق تھا لیکن جب سے وہ مرزا کے ساتھ سینما بینی کرنے لگے ہیں انہیں سینما کے نام سے ہی تکلیف ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مرزا سست واقع ہوئے تھے اس لیے جب بھی وہ سینما دیکھنے جاتے کافی تاخیر ہو جاتی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ مرزا ہمارے دوست ہیں لیکن ان کی دوستی سے مجھے جو نقصان پہونچا ہے خدا کسی دشمن کو بھی ایسا دوست نصیب نہ کرے۔ جب کبھی پطرس کو سینما دیکھنے کا ارادہ ہوتا تو وہ ایک ہفتہ پہلے اپنے دوست مرزا سے کہہ دیتے کہ فلاں جمعرات کو سینما دیکھنے چلیں گے تیار رہنا۔ مرزا کہتے کہ مجھے بھی تفریح کی ضرورت ہے میں بھی ضرور چلوں گا۔ پطرس نے کہہ دیا تھا کہ سینما چھ بجے سے شروع ہوگا آپ اس سے قبل تیار رہیں۔ جمعرات کے دن چار بجے سے ہی پطرس تیار ہو کر مرزا کے گھر پہونچ جاتے

ہیں۔لیکن مرزا گھر میں نظر نہیں آتے چاروں طرف تلاش کرتے ہیں۔ساڑے پانچ بجے مرزا زنان خانے سے تشریف لاتے ہیں۔پطرس پوچھتے ہیں کہ اندر رہ کر آپ نے جواب کیوں نہیں دیا۔تو مرزا کہتے کہ اوہو وہ آپ تھے میں سمجھا کوئی اور۔پطرس کہتے ہیں کہ جلدی سے چلئے تو مرزا پوچھتے ہیں کہ کہاں چلنا ہے تب پطرس جواب دیتے ہیں کہ آج جمعرات ہے اور ہم نے سینما دیکھنے کا پروگرام بنایا ہے۔تب مرزا کو یاد آتا ہے کہ آج سینما دیکھنے جانا ہے۔وہ کپڑے پہننے ایک مرتبہ پھر اندر جاتے ہیں اور آدھے گھنٹے بعد تشریف لاتے ہیں۔مرزا صاحب ہاتھ میں اور منہ میں پان کھاتے ہوئے پھر اندر جاتے ہیں اور پان کے لیے تمبا کو لانے کے بہانے مزید وقت خراب کرتے ہیں۔آخرکار دونوں سینما دیکھنے پیدل سینما گھر روانہ ہوتے ہیں مرزا کے چلنے کی رفتار سست تھی کئی مرتبہ پطرس آگے اور وہ پیچھے ہو جاتے ہیں۔آخر کار وہ سینما گھر پہونچتے ہیں۔ٹکٹ لے کر جب اندر داخل ہوتے ہیں تو چاروں طرف اندھیرا ہوتا ہے دھکے کھاتے لوگوں کی باتیں سنتے وہ کسی طرح سیٹ پر بیٹھ جاتے ہیں۔اس وقت تک کافی سینما ختم ہو چکی تھی۔جب وہ کچھ کہانی سمجھنے کی کوشش کرتے تو سامنے بیٹھا ایک شخص ہاتھ اٹھا کر جمائی لیتے لیتے منظر میں رکاوٹ ڈالتا۔ پطرس کو غصہ آتا اور وہ اگلی بار بہت پہلے آکر سامنے کی نشست پر بیٹھ جانے اور سینما سے حقیقی طور پر لطف اندوز ہونے کا ارادہ کرتے اس طرح تاخیر کے سبب پطرس کا مزہ کرکرا ہو جاتا اور وہ گھر آکر پھر ایک مرتبہ کوئی نیا سینما دیکھنے کا ارادہ کرتے اور ایک مرتبہ پھر مرزا

صاحب سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہو جاتا کہ بھئی مرزا اگلی جمعرات کو سینما دیکھنے چلو گے؟

مرکزی خیال: پطرس بخاری کو سینما بینی کا شوق تھا لیکن ان کے دوست مرزا کافی سست رفتار واقع ہوئے تھے اس لیے وہ ہمیشہ سینما گھر تاخیر سے پہونچتے اور سینما کی کہانی ادھوری رہ جانے کے سبب ان کا سینما بینی کا مزہ کرکرا ہو جاتا لیکن وہ مرزا کی دوستی نہیں چھوڑتے تھے۔

❖ مشکل الفاظ کے معنی

| | | |
|---|---|---|
| رومان انگیزی | : | فرضی داستان |
| طفیل | : | ذریعہ۔سبب۔بدولت |
| بے مروتی | : | لحاظ نہ کرنا۔بے درد۔ظالم |
| للہ | : | اللہ کے واسطے |
| آفت | : | مصیبت۔پریشانی |
| پشت | : | پیٹھ۔کمر |
| ہجرت | : | ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا |
| پینترا | : | پاؤں کا نشان |
| کم بخت | : | بدنصیب |
| اشتہار | : | مشہور کرنا |

 سوالات

ا۔ مندرجہ ذیل کی بحوالہ متن تشریح کیجئے۔

(1) اس سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ مجھے فلموں سے دلچسپی نہیں' یا سینما کی موسیقی اور تاریکی میں جو کچھ رومان انگیزی ہے' میں سینما کے معاملے میں اوائل عمر سے ہی بزرگوں کا موردِ عتاب رہ چکا ہوں''۔

حوالہ: یہ عبارت پطرس بخاری کے مزاحیہ مضمون ''سینما کا عشق'' سے لی گئی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں پطرس بخاری سینمابینی کے اپنے شوق کے بارے میں کہتے ہیں کہ مجھے شروع سے ہی سینما دیکھنے کا شوق ہے۔اس کی موسیقی اور تاریکی میں رومانی مناظر دیکھنا بھی اچھا لگتا ہے۔اس شوق کی وجہ سے بچپن سے ہی مجھے بزرگوں کے غصے کا سامنا کرنا پڑا۔

مرکزی خیال: پطرس بخاری کو بچپن سے سینمابینی کا شوق تھا۔جس کی وجہ سے انہیں بزرگوں کے غصے کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

(2) ''اوّل تو خدا کے فضل سے ہم سینما کبھی وقت پر نہیں پہنچ سکے۔ اس میں میری سستی کو ذرا دخل نہیں۔ یہ سب قصور ہمارے دوست مرزا صاحب کا ہے''۔

حوالہ: یہ عبارت پطرس بخاری کے مزاحیہ مضمون ''سینما کا عشق'' سے لی گئی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں پطرس بخاری کے دوست مرزا صاحب کی سستی کا ذکر کیا گیا ہے۔پطرس بخاری اور مرزا صاحب اکثر جمعرات کو شام چھ بجے سینما دیکھنے کا پروگرام بناتے تھے۔پطرس چار بجے سے مرزا کے گھر جاتے تھے تا کہ انہیں جلدی سے تیار کیا جا سکے لیکن ہر بار مرزا تاخیر کرتے اور دیر سے گھر سے نکلتے پیدل سینما گھر جانے تک سینما شروع ہو چکی ہوتی اور سینما گھر میں تاریکی میں جگہ ڈھونڈنے اور بیٹھنے تک سینما کا مزہ کرکرا ہو جاتا۔اس طرح مرزا صاحب کی تاخیر کی وجہ سے پطرس کی سینما بینی کے شوق میں دلچسپی کم ہوئی۔

❖ مرکزی خیال:

پطرس کے دوست مرزا صاحب سست رفتار واقع ہوئے تھے۔سینما جانے کے لیے وہ اتنی تاخیر اور سستی کرتے کہ سینما گھر جانے تک بہت دیر ہو جاتی۔

(3) بھئی مرزا۔للہ مجھ پر رحم کرو۔میں سینما چلنے کو آیا ہوں دھوبیوں کا انتظام کرنے نہیں آیا۔یار بڑے بدتمیز معلوم ہوتے ہو پونے چھ بج چکے ہیں اور تم جوں کے توں بیٹھے ہو“۔

حوالہ: یہ عبارت پطرس بخاری کے مزاحیہ مضمون ”سینما کا عشق“ سے لی گئی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں پطرس بخاری مرزا کی جانب سے سینما دیکھنے جانے تاخیر پر ان کے غصے کا ذکر کیا ہے۔پطرس چار بجے گھر سے نکلتے تھے اور مرزا کے گھر پہونچ کر انہیں آواز دیتے تھے کہ سینما دیکھنے چلنا ہے۔مرزا کہیں غائب ہو جاتے۔جب باہر آتے تو

پونے چھ بج چکے ہوتے پطرس کہتے کہ مجھ پر رحم کرو۔میں دھوبیوں کا انتظام کرنے نہیں آیا بلکہ سینما جانے کے لیے آیا ہوں دیر ہورہی ہے اور چھ بجے سے سینما شروع ہونے والا ہے۔مرزا یہ سن کر بھی تاخیر کردیتے اور سینما پہونچنے تک دیر ہوجاتی۔

**مرکزی خیال** : مرزا کی تاخیر سے پطرس کافی جھنجھلا اٹھتے تھے اور انہیں رحم کرنے کے لیے کہتے۔

(4) ''اب تماشے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور سمجھنے کی کوشش کررہا ہوں کہ فلم کونسا ہے۔اس کی کہانی کیا ہے اور کہاں تک پہنچ چکی ہے؟ سمجھ صرف اس قدر آتا ہے کہ ایک عورت اور ایک مرد جو پردے کر بغیر نظر آتے ہیں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں''۔

حوالہ: یہ عبارت پطرس بخاری کے مزاحیہ مضمون ''سینما کا عشق'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں پطرس بخاری نے سینما گھر تاخیر سے پہونچنے کے بعد کا حال بیان کیا ہے۔مرزا کی سستی کے سبب جب دونوں سینما گھر میں داخل ہوتے ہیں اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے اپنی نشست پر پہونچتے ہیں تو پیچھے ہونے کے سبب سامنے والی فلم بین کی رکاوٹوں کو برداشت کرتے ہیں۔فلم بہت ختم ہوچکی تھی۔پطرس کو صرف اتنا معلوم کہ ہیرو ہیروئین پیار محبت کی باتیں کررہے ہیں اس کے علاوہ انہیں فلم کی کہانی کچھ سمجھ میں نہیں آتی جس پر انہیں افسوس ہوتا ہے کہ مرزا کے ساتھ آنے کی وجہ

سے ان کی تفریح کا یہ انجام ہوا۔

مرکزی خیال: تاخیر سے پہونچنے کے سبب پطرس کو سینما کی کہانی سمجھنے میں دشواری ہوتی تھی۔

II. ذیل کے سوالات کے ایک سطر میں جوابات لکھیئے۔

سوال(1) ''سینما کا عشق'' کس کا لکھا ہوا مضمون ہے۔

جواب: پطرس بخاری۔

سوال(2) پطرس بخاری کا اصل نام کیا ہے۔

جواب: احمد شاہ پطرس بخاری

سوال(3) پطرس بخاری کب اور کہاں پیدا ہوئے۔

جواب: 1898ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔

سوال(4) پطرس بخاری کے مضامین کے مجموعے کا نام کیا ہے؟

جواب: مضامین پطرس۔

سوال(5) پطرس بخاری کا انتقال کب ہوا؟

جواب: ڈسمبر 1958ء

سوال(6) پطرس بخاری اردو نثر نگاری میں کس حیثیت سے مشہور ہیں۔

جواب: مزاح نگار

III. مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات چار سطروں میں تحریر کیجیے۔

سوال (1) مرزا صاحب کی وجہ سے پطرس بخاری کو کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

جواب: پطرس بخاری نے اپنے مزاحیہ مضمون ''سینما کا عشق'' میں مزاحیہ انداز میں ان کے سینما بینی کے شوق کو بیان کیا ہے۔پطرس لکھتے ہیں کہ انہیں سینما کا شوق بچپن سے ہی تھا اور اس شوق کی وجہ سے انہیں خاندان کے بزرگوں کا غصہ بھی سہنا پڑا۔ جب بڑے ہوئے تو اپنے خاص دوست مرزا کے ساتھ وہ اکثر جمعرات کو سینما دیکھنے جایا کرتے تھے۔ وہ بہت پہلے مرزا کو یاد دلاتے تھے کے جمعرات کے دن شام چھ بجے سینما دیکھنے چلنا ہے۔ پطرس چار بجے گھر سے نکل کر مرزا کے گھر پہونچ جایا کرتے تھے۔تا کہ بروقت مرزا کے ساتھ سینما دیکھنے چلیں۔لیکن مرزا گھر سے نکلنے میں بہت تاخیر کرتے تھے اور پیدل آہستہ آہستہ سینما گھر جانے اور سینما گھر میں داخل ہونے تک بہت سی فلم ختم ہو جاتی تھی اور سینما کا شوق بدمزہ ہو جاتا تھا۔

سوال (2) کیا پطرس بخاری سینما دیکھنے وقت پر پہونچے تھے۔

جواب: پطرس بخاری نے اپنے مزاحیہ مضمون ''سینما کا عشق'' میں مزاحیہ انداز میں ان کے سینما بینی کے شوق کو بیان کیا ہے۔پطرس لکھتے ہیں کہ مرزا گھر سے نکلنے میں بہت دیر کرتے تھے۔انہیں یاد دلانا پڑتا تھا کہ آج سینما دیکھنے جانا ہے۔مرزا زنان خانے سے دیر سے نکلتے۔پھر بہت دیر تک کپڑے بدلتے اور اپنے آپ کو درست کرتے اس وقت تک چھ بج جاتے تھے۔پھر آہستہ آہستہ پیدل چلتے جس سے سینما گھر میں داخل ہونے میں تاخیر ہو جاتی تھی۔پطرس اور مرزا کبھی بھی وقت پر سینما دیکھنے نہیں پہونچے۔اس کے باوجود وہ سینما دیکھنے جاتے رہے۔

(3) ''سینما کے عشق'' سے پطرس بخاری کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

جواب: پطرس بخاری نے اپنے مزاحیہ مضمون ''سینما کا عشق'' میں مزاحیہ انداز میں ان کے سینما بینی کے شوق کو بیان کیا ہے۔وہ ہمیشہ اپنے دوست مرزا کو ساتھ لے جاتے تھے۔لیکن مرزا کی سست رفتاری سے ہمیشہ وہ لوگ تاخیر سے سینما گھر پہونچتے اور سینما دیکھنے کا مزا کرکرا ہو جاتا۔

(4) تمام مشکلات کے باوجود کیا پطرس نے اگلی جمعرات کو سینما دیکھنے کا منصوبہ بنایا۔

جواب: پطرس بخاری نے اپنے مزاحیہ مضمون ''سینما کا عشق'' میں مزاحیہ انداز میں ان

کے سینمابینی کے شوق کو بیان کیا ہے۔ایک دفعہ مرزا کے ساتھ تاخیر سے سینما جانے اور سینما دیکھنے کا مزاہ خراب ہونے کے باوجود پطرس بخاری کا سینما دیکھنے کا شوق کم نہیں ہوا۔اور کچھ دن بعد انہوں نے مرزا سے پھر کہا کہ کیوں مرزا سینما دیکھنے چلیں۔اس طرح مشکلات کے باوجود پطرس کا سینما دیکھنے کا شوق ختم نہیں ہوا۔

IV. طویل سوالات کے جوابات۔

سوال (1) پطرس کے لیے سینما ایک دکھتی رگ بن کر رہ گیا۔ تفصیل سے لکھئے۔

جواب:

سوال (2) ''سینما کا عشق'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

جواب: (جواب کے لیے مضمون ''سینما کا عشق'' کا خلاصہ پڑھیں۔



# 5 مولانا محمد علی

رشید احمد صدیقی

❖ خاکے کی تعریف

خاکہ ایسے مضمون کو کہتے ہیں جس میں شخصیتوں کی لفظی تصویریں اس طرح براہ راست کھینچی جاتی ہیں کہ ان کے ظاہر اور باطن دونوں قاری کے ذہن نشین ہوجاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پڑھنے والے نے نہ صرف قلمی چہرہ دیکھا ہے بلکہ خود شخصیت کو دیکھا بھالا ہو۔خاکہ نگاری کا مقصد سماجی زندگی کی اہم شخصیات کے احوال کو محفوظ رکھنا ہے۔خاکہ نگار کا اسلوب نگارش خاکے کو دلچسپ بناتا ہے۔اوراس کی بدولت کسی شخصیت کے مختلف کرداروں سے واقفیت ہوتی ہے۔اردو میں مرزا فرحت اللہ بیگ۔مولوی عبدالحق۔رشید احمد صدیقی۔خواجہ حسن نظامی اور دیگر ادیبوں نے شاہکار خاکے لکھے۔ نصابی کتاب میں رشید احمد صدیقی کا تحریر کردہ خاکہ ''مولانا محمد علی'' شامل کیا گیا ہے۔

❖ تعارف

رشید احمد صدیقی (1898-1977) اردو کے مشہور انشاء پرداز اور مزاح نگار گزرے ہیں۔موضع مڑیا ضلع جونپور یوپی میں پیدا ہوئے۔ہائی اسکول تک وہیں تعلیم

حاصل کی اس کے بعد علی گڑھ چلے آئے۔تعلیمی اخراجات چلانے کے لیے کچہری میں کلرکی کی۔1922ء میں فارسی میں ایم اے کیا۔اور لیکچرر کی حیثیت سے یونیورسٹی میں ملازم ہو گئے۔اس کے بعد ساری زندگی علی گڑھ ہی میں گزاری۔انہیں علی گڑھ بہت عزیز تھا۔زمانہ طالب علمی سے ہی لکھنے کا شوق تھا۔اور انشاء پرداز کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔آپ کی شادی 1932ء میں ہوئی۔1935ء میں علامہ اقبال نے انہیں اردو ریڈر کے لیے منتخب کیا۔ترقی کرتے ہوئے پروفیسر بنے اور 1977ء میں ان کا انتقال ہوا۔

رشید احمد صدیقی کو طالب علمی کے زمانے سے ہی لکھنے کا شوق تھا۔علی گڑھ میگزین میں ان کے مزاحیہ مضامین شائع ہوتے رہے اور بہت پسند کئے گئے۔ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ادبی مسائل اور ادب پر ٹھنڈے دل سے غور کرتے ہیں۔کسی بھی حال میں متانت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔کسی بھی خیال و تحریک کی بھی اندھی تقلید نہیں کرتے۔بہ حیثیت نقاد کے انہوں نے دوسرے ناقدین سے کچھ الگ ہو کر مسائل کی بنیادوں پر بحث کرنے کو اچھا سمجھا ہے۔اردو اور فارسی میں فاضلانہ عبور حاصل ہے۔انگریزی ادب سے واقف تھے۔رشید احمد صدیقی کی ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت ہند نے 1963ء میں انہیں پدم شری اعزاز سے نوازا۔ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ بھی آپ کو عطا ہوا۔مضامین رشید،خنداں، گنج ہائے گراں مایہ، ہم نفسان رفتہ،جدید غزل، ذاکر صاحب، آشفتہ بیانی میری (سوانح حیات) وغیرہ ان کی اہم تصانیف ہیں۔اگر چہ ان کے مضامین کے موضوعات غیر دلچسپ ہوتے ہیں مگر ان کے

طرز اسلوب، مزاح اور شگفتگی کے سبب پڑھنے والوں کو بار نہیں گزرتا۔رشید احمد صدیقی کی تحریروں میں انشائیہ نگاری کا فن معراج کمال پر نظر آتا ہے۔وہ مزاح نگار تو ہیں ہی لیکن ان کی نگارشات میں بہت نفاست اور شگفتگی پائی جاتی ہے۔وہ ایک کامیاب خاکہ نگار بھی ہیں۔ان کے خاکوں میں بڑا تنوع پایا جاتا ہے۔جواہر لال نہرو، مولانا محمد علی، ذاکر صاحب اور کندن ان کے بہترین خاکے ہیں۔

❖ خلاصہ

رشید احمد صدیقی (1977-1898) اردو کے مشہور انشاء پرداز، مزاح نگار اور خاکہ نگار گزرے ہیں۔ان کا ایک مشہور خاکہ ''مولانا محمد علی'' ہے۔جس میں انہوں نے مشہور مجاہد آزادی مولانا محمد علی جوہر کی شخصیت اپنے دلچسپ اسلوب نگارش سے پیش کیا ہے۔رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ انسان کی پیدائش تو اپنے گھر میں ہوتی ہے اور گھر میں خوشیاں منائی جاتی ہیں لیکن محمد علی کی موت سارے ہندوستان کے لیے ایک رنج والم کی گھڑی تھی۔ایسا لگتا ہے کہ وطن کی آزادی کی خاطر انہوں نے موت کا انتخاب بھی کیا تھا۔کیوں کہ لندن کی گول میز کانفرنس کے موقع پر انہوں نے وطن کی آزادی تک واپس وطن نہ جانے کا مطالبہ کیا تھا اور وہیں لندن میں ان کا انتقال ہوا اور بیت المقدس میں تدفین ہوئی تھی۔اس بات پر رشید احمد صدیقی نے کہا کہ انہوں نے موت کا انتخاب خود کیا تھا۔محمد علی کی زندگی میں نشیب وفراز رہے ہیں۔لوگ ان کی شہرت پر حسد کرتے تھے اور محمد علی نے اپنی موت سے ان حاسدین سے انتقام لیا۔لوگ کہتے ہیں کہ محمد علی کا کارنامہ کیا ہے۔

لیکن رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ ہماری زندگی میں جو کچھ آزادی، چین وسکون اور ترقی ہے ان سب کے پیچھے محمد علی کی کوششیں پوشیدہ ہیں۔ بہادر انسانوں کی کامیابی کا اندازہ مال غنیمت کی کثرت سے نہیں بلکہ ٹوٹی تلوار اور بکھری زرہ بکتر سے لگایا جاتا ہے۔ محمد علی نے ہندوستان کی آزادی کے لیے اپنے خاندان کے ساتھ بڑی قربانیاں دی ہیں۔ محمد علی کی شخصیت کی ایک بڑی خوبی تھی کہ وہ لوگوں سے ہمدردی سے پیش آتے تھے لیکن لوگ ان کی مخالفت کرتے تھے۔ ان کی شخصیت کامیاب تھی لیکن لوگ ان میں ناکامی تلاش کرتے رہے۔

رشید احمد صدیقی محمد علی کی ذات کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اس خاکہ میں لکھتے ہیں کہ وہ کافی ذہین اور فطین تھے۔ وہ مجلس میں کھل کر بات کرتے تھے اور لوگوں کو مخالفت کے باجود اچھے انداز سے جواب دیتے تھے۔ وہ لوگوں کی بھرپور مدد کرتے تھے۔ جو ان کی مدد کے ساتھ شامل ہوگیا وہ محفوظ رہتا تھا۔ ان کی شخصیت میں ایک ماں کی ممتا، بھائی کا پیار اور رشتے داروں کی محبت تھی۔ محمد علی کی تحریر وتقریر جان دار اور پر اثر تھی۔ لکھتے تو ایسا لگتا جیسے کارخانے میں توپیں ڈھل رہی ہوں یا تاج کا نقشہ بن رہا ہوں۔ تقریر کے لیے آتے تو ایسا لگتا جیسے کوئی پہلوان آرہا ہو۔ اسٹیج پر جھومتے ہوئے آتے اور دھواں دار تقریر کرتے تھے۔ وہ مخالفین کے حربوں کا جواب اپنی تقریر سے دیتے تھے۔ محمد علی پر دولت وشہرت کی بارش ہوئی لیکن انہوں نے اسے اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ ملک کی خاطر سیلاب کی طرح بہادیا۔ اور خود بدنامی اور مفلسی میں رہے۔ ان باتوں کا تعلق جسم وجان سے تھا لیکن ان کی روح پاک تھی۔ جب محمد علی کی وفات کی خبر سنی تو یقین

نہیں آیا۔سوچتا رہا کہ موت نے انہیں کس طرح زیر کیا ہوگا اور خود ان کی روح قبض کرتے وقت موت کا کیا حال ہوا ہوگا۔محمد علی کی موت کے بجائے کسی اور کو پیش کیا جا سکتا تھا لیکن یہ قضا وقدر کا معاملہ ہے۔رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ ہر انسان کی طرح محمد علی کی ذات میں بھی کسی اچھے شعر کی کمزوری کی طرح کچھ کمزوریاں تھیں۔لیکن انہیں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔آج محمد علی ہم میں نہیں لیکن ان کی یادیں اور ان کے کارنامے ہمارے لیے مشعل راہ ہیں۔

## ❖ مرکزی خیال

رشید احمد صدیقی نے اس خاکے میں محمد علی کی ذات کی خوبیاں بیان کی ہیں اور انہیں ہندوستان کی تعمیر کا ایک اہم انسان قرار دیا ہے۔انہوں نے محمد علی کی موت کو ایک عظیم نقصان قرار دیا لیکن ان کے کارناموں سے آنے والی نسلوں کو روشنی حاصل کرنے کی تلقین کی ہے۔

## مشکل الفاظ کے معنی

| | | |
|---|---|---|
| مادرزاد | : | جنم کا۔پیدائشی |
| خانہ زاد | : | گھریلو غلام |
| افتادِ طبع | : | فطرت۔طبعیت |
| تنگ ظرفوں | : | کم ظرف۔بداخلاق لوگ |
| قضاوقدر | : | تقدیرِ الٰہی۔خدا کی رضاء |

| | | |
|---|---|---|
| مہمل | : | بیکار۔بے ہودہ۔بے معنیٰ |
| الہام | : | خدا کی طرف سے دل میں آئی ہوئی بات |
| بیت المقدس | : | پاک گھر۔مسجد اقصیٰ |
| نفس پروری | : | راحت پہونچانا۔روح افزاء |
| مقبوضات | : | قبضہ کیا گیا۔پکڑا گیا |
| رزم | : | جنگ معرکہ |
| بزم | : | سبھا محفل۔خوشی کی محفل |
| فیضان | : | بڑا فائدہ۔بڑی بخشش |

I. مندرجہ ذیل کی بحوالہ متن تشریح کیجیے؟

(1) ''ولادت تو مادر زاد ہوتی ہے۔لیکن محمد علی کی موت خانہ زاد تھی۔عام طور پر موت اپنا شکار خود منتخب کرتی ہے لیکن محمد علی نے خود موت کا انتخاب کیا''۔

حوالہ: یہ عبارت رشید احمد صدیقی کے تحریر کردہ خاکہ ''مولانا محمد علی'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں رشید احمد صدیقی نے مولانا محمد علی کی پیدائش اور وفات پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ انسان کی پیدائش تو اپنے گھر میں ہوتی ہے اور گھر میں خوشیاں منائی جاتی ہیں لیکن محمد علی کی موت سارے ہندوستان کے لیے ایک رنج والم

کی گھڑی تھی۔ ایسا لگتا ہے کہ وطن کی آزادی کی خاطر انہوں نے موت کا انتخاب بھی کیا تھا۔ کیوں کہ لندن کی گول میز کانفرنس کے موقع پر انہوں نے وطن کی آزادی تک واپس وطن نہ جانے کا مطالبہ کیا تھا اور وہیں لندن میں ان کا انتقال ہوا اور بیت المقدس میں تدفین ہوئی تھی۔ اس بات پر رشید احمد صدیقی نے کہا کہ انہوں نے موت کا انتخاب خود کیا تھا۔

❖ مرکزی خیال

مولانا محمد علی نے وطن کی آزادی کی خاطر اپنی موت کا انتخاب کیا اور لندن میں گول میز کانفرنس کے دوران وطن کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہوئے ان کا انتقال ہوا۔

(2) ''محمد علی کی زندگی اور موت دونوں ان کی انفرادی اور شخصی افتادِ طبع کی جلوہ گری تھی۔ شخصیت کی اسی جلوہ گری کا نام آرٹ بھی ہے۔ نایاب اور گراں مایہ۔''

حوالہ: یہ عبارت رشید احمد صدیقی کے تحریر کردہ خاکہ ''مولانا محمد علی'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں رشید احمد صدیقی نے مولانا محمد علی کی زندگی اور موت کو اہم واقعہ قرار دیتے ہوئے لکھا کہ مولانا محمد علی نے بھرپور زندگی گزاری۔ ہندوستان کی آزادی کے لیے کام کیا۔ اور جب وطن کی آزادی کا وقت قریب آیا تو آزادی کا مطالبہ کرتے ہوئے جان بھی دی۔ اس طرح ان کی زندگی اور موت کو منفرد قرار دیتے ہوئے

رشید احمد صدیقی اسے ایک قیمتی آرٹ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ اس کی قدر کی جانی چاہیئے۔

مرکزی خیال: رشید احمد صدیقی نے مولانا محمد علی کی زندگی اور موت کو ایک بیش قیمت آرٹ قرار دیا ہے۔ کیوں کہ ان کی زندگی اور موت دونوں مثالی تھے۔

(3) ''کس بلا کے بولنے اور لکھنے والے تھے۔ بولتے تو معلوم ہوتا بوالہول کی آواز اہرام مصر سے ٹکرا رہی ہے۔ لکھتے تو معلوم ہوتا کرپ کے کارخانے میں توپیں ڈھل رہی ہیں۔ یا پھر شاہجہاں کے ذہن میں تاج کا نقشہ مرتب ہو رہا ہے''۔

حوالہ: یہ عبارت رشید احمد صدیقی کے تحریر کردہ خاکہ ''مولانا محمد علی'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں رشید احمد صدیقی نے مولانا محمد علی کی تقریری و تحریری صلاحیتوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں کہ مولانا محمد علی زوردار تقریر کرتے تھے وہ اپنی تقریر سے لوگوں کو ہم خیال بنا لیتے تھے اسی طرح ان کی تحریر میں بھی جان ہوتی تھی لگتا تھا کہ کارخانے سے توپیں ڈھل رہی ہیں یا شاہجہاں کے ذہن میں تاج محل کا نقشہ بن رہا ہو۔ اس طرح تحریر و تقریر کے ذریعے انہوں نے لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کیا۔

مرکزی خیال: رشید احمد صدیقی نے مولانا محمد علی کی تقریری و تحریری صلاحیتوں کی بھر

پور تعریف کی ہے اورانہیں ایک اچھا مقرر اور قلم کار قرار دیا ہے۔

(4) ''فتح و شکست تو اسی لیے بنائے گئے ہیں کہ فتح و شکست ہوتی رہے۔ لیکن جنگ آزما کہاں ہے۔شہادت کس کو نصیب ہوگی۔ایسا حسین کہاں جس کو خود یزد کی تلاش ہو''۔

حوالہ: یہ عبارت رشید احمد صدیقی کے تحریر کردہ خاکہ ''مولانا محمد علی'' سے لی گئی ہے۔

تشریح: اس عبارت میں رشید احمد صدیقی نے مولانا محمد علی کی موت پر جذباتی انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔مولانا محمد علی مشہور مجاہد آزادی تھے۔انہوں نے ہندوستان کی آزادی کے لیے لندن کی گول میز کانفرنس میں شرکت اور ہندوستان کی فوری آزادی کا مطالبہ کیا اور کہا جب تک ہندوستان آزاد نہ ہوگا وہ وطن واپس نہ جائیں گے۔اسی دوران ان کا انتقال ہوگیا۔محمد علی ایسے حسین ہیں جنہوں نے یزید کی تلاش کی اور موت کو گلے لگالیا۔

**مرکزی خیال:** محمد علی مجاہد آزادی تھے۔انہوں نے وطن کی آزادی کی خاطر موت کو گلے لگایا۔

I. مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات ایک سطر میں لکھئے۔

سوال (1) رشید احمد صدیقی کے لکھے ہوئے مضمون کا نام کیا ہے۔

جواب: مولانا محمد علی۔

سوال(2) رشید احمد صدیقی کب اور کہاں پیدا ہوئے؟

جواب: 1898ء میں موضع مڑیاہو ضلع جونپور اتر پردیش۔

سوال(3) رشید احمد صدیقی کے کتابوں کے نام لکھیے؟

جواب: مضامین رشید، خنداں، گنج ہائے گراں مایہ، ہم نفسان رفتہ، آشفتہ بیانی میری۔

سوال(4) حکومت ہند نے رشید احمد صدیقی کو کونسے اعزاز سے نوازا؟

جواب: پدم شری اور ساہتیہ اکیڈیمی ایوارڈ۔

سوال(5) ''آشفتہ بیانی میری'' کس کی لکھی ہوئی سوانح حیات ہے؟

جواب: رشید احمد صدیقی

سوال(6) رشید احمد صدیقی کا انتقال کب ہوا؟

جواب: 1977ء

III. مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات چار سطروں میں تحریر کیجیے۔

سوال(1) ولادت تو مادر زاد ہوتی ہے لیکن محمد علی کی موت خانہ زاد تھی۔ رشید احمد صدیقی نے محمد علی کے لیے یہ جملہ کیوں کہا قلمبند کیجیے۔

جواب: رشید احمد صدیقی نے اپنے خاکہ ''مولانا محمد علی'' میں جدوجہد آزادی کے علمبردار

محمد علی کی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔اس عبارت میں رشید احمد صدیقی نے مولانا محمد علی کی پیدائش اور وفات پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ انسان کی پیدائش تو اپنے گھر میں ہوتی ہے اور گھر میں خوشیاں منائی جاتی ہیں لیکن محمد علی کی موت سارے ہندوستان کے لیے ایک رنج والم کی گھڑی تھی۔ایسا لگتا ہے کہ وطن کی آزادی کی خاطر انہوں نے موت کا انتخاب بھی کیا تھا۔کیوں کہ لندن کی گول میز کانفرنس کے موقع پر انہوں نے وطن کی آزادی تک واپس وطن نہ جانے کا مطالبہ کیا تھا اور وہیں لندن میں ان کا انتقال ہوا اور بیت المقدس میں تدفین ہوئی تھی۔اس بات پر رشید احمد صدیقی نے کہا کہ انہوں نے موت کا انتخاب خود کیا تھا۔

سوال (2) محمد علی کی تقریر و تحریر کی تعریف رشید احمد صدیقی نے کس طرح کی۔

جواب: رشید احمد صدیقی نے اپنے خاکہ ''مولانا محمد علی'' میں جدوجہد آزادی کے علمبردار محمد علی کی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔محمد علی کی تقریر و تحریر کی صلاحیتوں کے بارے میں رشید احمد صدیقی نے لکھا کہ مولانا محمد علی زوردار تقریر کرتے تھے وہ اپنی تقریر سے لوگوں کو ہم خیال بنا لیتے تھے اسی طرح ان کی تحریر میں بھی جان ہوتی تھی لگتا تھا کہ کارخانے سے توپیں ڈھل رہی ہیں یا شاہجہاں کے ذہن میں تاج محل کا نقشہ بن رہا ہو۔اس طرح تحریر و تقریر کے ذریعے انہوں نے لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کیا۔

سوال (3) رشید احمد صدیقی نے مولانا محمد علی کی ذہانت کا ذکر کس انداز میں کیا ہے۔

جواب: رشید احمد صدیقی نے اپنے خاکہ ''مولانا محمد علی'' میں جدوجہد آزادی کے علمبردار محمد علی کی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ محمد علی کی ذہانت وفطانت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کہ وہ کافی ذہین اور فطین تھے۔ وہ مجلس میں کھل کر بات کرتے تھے اور لوگوں کو مخالفت کے باجود اچھے انداز سے جواب دیتے تھے۔ وہ لوگوں کی بھرپور مدد کرتے تھے۔ جو ان کی مدد کے ساتھ شامل ہو گیا وہ محفوظ رہتا تھا۔ ان کی شخصیت میں ایک ماں کی ممتا' بھائی کا پیار اور رشتے داروں کی محبت تھی۔

## IV. طویل سوالات کے جوابات لکھئے۔

سوال (1) رشید احمد صدیقی نے مولانا محمد علی کی شخصیت کو کس طرح اپنے الفاظ میں دل کش اور پر اثر بنا دیا؟

جواب: (جواب کے لیے خاکے کا خلاصہ پڑھیں)

سوال (2) خاکہ ''مولانا محمد علی'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

جواب: (جواب کے لیے خاکے کا خلاصہ پڑھیں)



# 6 شیشہ سازی

رفیعہ منظورالامین

 مضمون کی تعریف

مضمون کو انگریزی میں Essay یا Artical کہتے ہیں۔ مضمون سے مراد کسی بھی موضوع پر لکھی ہوئی معلوماتی تحریر ہے جسے ہم ایک نشست میں دس سے پندرہ منٹ میں پڑھ سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ وقت مطالعے کے لئے لگے تو ہم اسے طویل مضمون کہیں گے۔ دور حاضر میں اخبارات' رسائل' جرائد' نصابی کتابوں میں مختصر اور طویل مضامین لکھنے کی روایت عام ہے۔ مضمون زندگی کے کسی بھی شعبے سے متعلق کسی بھی موضوع پر لکھا جاسکتا ہے۔ اور زندگی کے اہم شعبہ جات مذہب' سماج' سیاست' اقتصادیات' سائینس' سماجی علوم اور دیگر علوم ہیں۔ دور حاضر میں کھیل کود' تفریحات' فلم' ٹیلی ویژن' فیشن' طب غرض ہر قسم کے موضوعات پر مضامین لکھے جارہے ہیں۔ مضمون لکھنے کا بنیادی مقصد موضوع سے متعلق وسیع تر معلومات بہم پہونچانا ہوتا ہے۔ مضمون میں موضوع کا تعارف' موضوع کی پیشرفت اور موضوع سے متعلق مثبت اور منفی پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے آخر میں اپنا نکتہ نظر پیش کرنا ہوتا ہے۔ مضمون کے اجزاء میں تمہید۔ مواد۔ تفسیر متن اور اختتام شامل رہتے ہیں۔ پروفیسر سیدہ جعفر نے اردو مضمون نگاری

کتاب میں مضمون کی دس قسمیں بتائی ہیں۔ جیسے مضمون نما تحریریں۔تاریخی مضامین۔ سیاسی مضامین ۔انشائے لطیف۔ مذہبی مضامین۔سماجی اور اصلاحی مضامین۔ فلسفیانہ مضامین ۔طنز ومزاح اور تنقیدی مضامین شامل ہیں۔مضمون کے لئے ضروری ہے کہ اس کا انداز بیان سادہ اور سلیس ہو اور اس میں جذبات نگاری سے احتراز کیا جائے۔اردو کے اہم مضمون نگاروں میں ماسٹر رام چندر۔سرسید احمد خان۔مولانا محمد علی۔ابوالکلام آزاد۔ وقار عظیم، عابد حسین، آل احمد سرور، کلیم الدین احمد، رشید احمد صدیقی، پطرس بخاری، احسن فاروقی، سلیم اختر وغیرہ شامل ہیں۔

### ❖ مضمون نگار کا تعارف

رفیعہ منظور الامین (1930-2008) حیدرآباد سے تعلق رکھنے والی اردو کی نامور فکشن نگار گزری ہیں۔25/ جولائی 1930 کو عثمان پورہ حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد کا نام محمد عبدالحمید تھا۔وہ پولیس ٹریننگ اسکول کے پرنسپل کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے تھے۔انہوں نے بچوں کو اچھی تعلیم دی اور ان کی تربیت بھی کی۔رفیعہ نے بی ایس سی تک تعلیم حاصل کی۔ان کی شادی 1956ء میں منظور الامین سے ہوئی جو دوردرشن کے ڈائرکٹر جنرل کے عہدے پر برسوں فائز رہے۔ان کی اولاد میں دو لڑکیاں ڈاکٹر ذیشان امین اور ڈاکٹر فروزاں امین ہیں۔رفیعہ منظور الامین کا انتقال 30/ جون 2008ء کو ہوا۔

رفیعہ منظور الامین کا نام ادب اور میڈیا میں بہت مشہور ہے۔خاص کر حیدرآباد کے فکشن نگاروں میں ان کی کافی شہرت ہے۔انہوں نے بے شمار افسانے اور کئی ناول

لکھے۔ ان کا مشہور ناول ''عالم پناہ'' ہے جس پر ''فرمان'' سیریئل بنایا گیا۔ ان کی پہلی تصنیف ''سارے جہاں کا درد'' 1969ء میں شائع ہوئی۔ جو ایک رومانی ناول ہے۔ ان کا تیسرا ناول ''یہ راستے'' 1991ء میں شائع ہوا۔ رفیعہ منظور الامین کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''دستک سی درِ دل پر'' 1986ء میں شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ ''آہنگ'' 2000ء میں شائع ہوا۔ ان کی کہانیوں میں عورت مرکزی کردار رکھتی ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں زندگی کی حقیقتوں کو پیش کیا۔ انہوں نے ''سائنسی زاویے'' کے عنوان سے سائنسی مضامین بھی لکھے۔ انہوں نے ادب اور سائنس کو جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ شیشہ سازی کے عنوان سے ان کا ایک مضمون شامل نصاب ہے۔

❖ خلاصہ

رفیعہ منظور الامین (1930-2008) حیدرآباد سے تعلق رکھنے والی اردو کی نامور فکشن نگار گزری ہیں۔ رفیعہ منظور الامین اپنے سائنسی مضمون میں شیشے کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ شیشہ سب سے پہلے سکندر نے ایجاد کیا تھا لیکن ہماری تاریخ بتاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں شیشہ وجود میں آچکا تھا اور ملکہ سبا نے ان کے دربار میں شیشہ دیکھا تھا۔ قدیم دور کا انسان شیشہ کے استعمال سے واقف تھا لیکن اسے بہ طور ہتھیار اپنی حفاظت کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اسے آبسیڈن کہا جاتا ہے۔ یہ لاوے کی شکل میں نکلا تھا۔ اور چٹانوں کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اسے دھاردار بنایا جا سکتا تھا اس لیے انسان نے اسے استعمال کرتے ہوئے بہت

سے ہتھیار بنائے۔قدیم کھدائیوں میں اس کے آثار ملتے ہیں بعد میں شیشے کو صاف کیا گیا اور اسے زیورات میں استعمال کیا گیا۔آبسیڈن سے روزمرہ کے استعمال کے برتن بھی بنائے گئے۔تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ کافی عرصے تک آتش فشاں لاوے سے نکلنے والے قدرتی آبسیڈن کو ہی مختلف ضروریات کے لیے استعمال کیا گیا۔پانچ ہزار سال قبل مسیح میں انسان نے پہلی مرتبہ مختلف چیزوں کو پگھلا کر شیشہ حاصل کیا۔اتفاقی طور پر ایک جہاز والوں کی جانب سے ایک ساحل پر سوڈے کی اینٹوں کو جلایا گیا تھا جو پگھل کر ریت میں دب گئی تھیں۔یہ سیال مادہ جم کر شیشہ کہلایا۔پتہ چلا کہ شیشے کو پگھلانے کے لیے 1200 فارن ہائٹ تپش کی ضرورت ہوتی ہے۔شام و مصر کے لوگوں نے شیشہ پگھلا کر مختلف اشیاء بنانا شروع کیا۔شیشہ میں استعمال ہونے والی خام اشیاء سلیکا' سوڈا اور چونا قدرت میں وافر مقدار میں دستیاب ہیں اس لیے شیشہ سازی پر کافی تجربات ہونے لگے۔لوگوں نے سانچے بنائے اور اس میں پگھلا ہوا شیشہ ڈال کر مختلف برتن بنائے جانے لگے۔ان برتنوں کی تیاری میں کافی محنت ہوتی تھی اس لیے ان کی قیمت بھی زیادہ تھی۔ بلو پائپ کے ذریعے بھی مختلف شیشے کی چیزیں بنائی جانے لگیں۔لوہے کے ایک پائپ کے دوسرے سرے پر پگھلا ہوا شیشہ ڈبویا جاتا ہے اور پھونک کر مختلف ڈائزائن کے برتن تیار کیے جاتے ہیں۔تیرہویں صدی عیسوی میں وینس اور شام کے لوگوں نے شیشہ سازی کو ترقی دی۔سولہویں صدی میں اہل وینس نے ہی شفاف شیشہ تیار کیا جسے کرسٹلو کہا جاتا ہے۔شیشہ سازی کے لیے سلیکا (ریت) 72%' سوڈا 15%' چونا 9% اور

متفرقات 4% استعمال کئے جاتے ہیں۔ان ساری چیزوں کو ایک بھٹی میں ایک جگہ جمع کیا جاتا ہے پھر 2800 فارن ہائٹ پر اسے گرم کیا جاتا ہے تو سیال شیشہ بن جاتا ہے جسے مختلف شکلوں میں ڈھال لیا جاتا ہے۔شیشہ نازک ہوتا ہے اسے مضبوطی فراہم کرنے کے لیے اس میں سوڈیم کاربونیٹ کی جگہ پوٹاشیم کاربونیٹ شامل کیا جاتا ہے۔عدسے بنانے کے لیے بھی شیشے کی شفاف قسم استعمال کی جاتی ہے۔پائریکس شیشہ اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے جو گرم اور سرد ماحول کو برداشت کر پاتا ہے۔عینکی عدسوں کو موڑنے کے قابل بنانے کے لیے اس میں لیڈ آکسائڈ اور زنک آکسائڈ ملائے جاتے ہیں۔سفید بالو سے شفاف شیشہ حاصل ہوتا ہے۔موٹر کاروں کا شیشہ ٹرپیلکس کہا جاتا ہے۔پلاسٹک کو ملا کر فائبر گلاس تیار کیا جاتا ہے۔جو ٹوٹنے کے بعد بکھرتا نہیں ہے۔بندوق کی گولی اور تیز آگ کو بھی یہ شیشہ برداشت کرلیتا ہے۔اچھی قسم کا شیشہ بالائے بنفشی شعاؤں کو گزرنے نہیں دیتا۔ حساس عدسوں سے تصویریں بنانے کے لینس تیار کئے جاتے ہیں۔شیشہ سازی میں مزید ترقی ہورہی ہے اور بلٹ پروف شیشے بھی بن رہے ہیں۔شیشہ انسان کا ساتھی رہا ہے اور اس سے انسان نے اپنی ضرورت کی بہت سی اشیاء تیار کرلی ہیں۔

### ❖ مرکزی خیال

شیشہ سلیکا' سوڈا اور چونے سے بنتا ہے۔ابتداء میں اسے ہتھیار اور برتن بنانے کے لیے استعمال کیا گیا بعد میں زندگی کی مختلف ضرورتیں شیشے سے انجام دی جانے لگیں اس طرح شیشہ انسان کا اہم ساتھی ہے۔

### ❖ مشکل الفاظ کے معنی:

| | | |
|---|---|---|
| آئینہ ساز | : | آئینہ بنانے والا |
| حکایت | : | کہانی' داستان' قصہ |
| صناعی | : | کاریگری' ہنرمندی |
| پیوست | : | ملا ہوا جڑا ہوا |
| ما قبل | : | پہلے کا' جو پہلے ہو |
| قیاس | : | اندازہ' رائے |
| رقصاں | : | ناچنے والا' حالت رقص |
| خود آرائی | : | اپنے آپ کو بنانا' سنوارنا' غرور |
| آتش فشاں | : | آگ برسانے والا پہاڑ |
| قرین قیاس | : | وہ بات جسے عقل قبول کرے |
| معدودے چند | : | گنتی کے بہت تھوڑی تعداد میں |
| سنگلاخ | : | پتھریلا علاقہ۔ چٹانی علاقہ |
| خلط ملط | : | گڈمڈ' ملا جلا |
| پاش پاش | : | پریشان' تتر بتر' تکڑے تکڑے |
| معدنیات | : | دھاتیں' وہ چیزیں جو کان سے نکلتی ہیں |
| حتی الامکان | : | بساط بھر' جہاں تک ہو سکے |
| صدہا | : | سینکڑوں |
| اذیت | : | دکھ درد |

ا. مندرجہ ذیل کی بحوالہ متن تشریح کیجیے۔

(1) چمن زاروں کی سیر کے بعد جب ملکہ سبا نے اپنے نرم و نازک پاؤں ایک جھیل میں دھونے چاہیں تب انہیں پتہ چلا کہ جسے وہ صاف و شفاف پانی کی جھیل سمجھے ہوئے تھیں دراصل وہ شیشہ تھا۔

حوالہ: یہ عبارت رفیعہ منظور الامین کے تحریر کردہ سائنسی مضمون ''شیشہ سازی'' سے لی گئی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں رفیعہ منظور الامین نے شیشے کے استعمال کی قدیم روایت بیاا کی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور میں انہوں نے ملکہ سبا کو اپنے دربار میں طلب کیا تھا وہاں اس نے پہلی مرتبہ شیشہ دیکھا تھا اس طرح شیشہ سازی کی تاریخ قدیم ہے۔

**مرکزی خیال:** شیشہ سازی کی روایت کے قصے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دور سے ملتے ہیں۔ بعد میں انسان نے اسے ترقی دی۔

(2) قیاس یہی بتاتا ہے کہ پہاڑ پر چڑھتے ہوئے کسی بزرگوار کا پاؤں کسی تیز اور سخت سی چیز سے کٹ گیا ہو' جو پتھر سے کافی حد تک مختلف تھی یہی آبسیڈن تھا۔

حوالہ: یہ عبارت رفیعہ منظور الامین کے تحریر کردہ سائنسی مضمون ''شیشہ سازی'' سے لی گئی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں میں رفیعہ منظور الامین نے لکھا کہ دور قدیم میں آتش فشاں

سے نکلنے والا لاوا جب جم جاتا تھا تو یہی شیشہ تھا۔ جب کسی چٹان کے نوک دار حصے سے کسی بزرگ کا پیر کٹ گیا تو پتہ چلا کہ یہی شیشہ ہے جسے انسان نے ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔

**مرکزی خیال:** آتش فشان کے لاوے میں شیشہ ہوتا ہے اس بات کا اتفاقیہ طور پر پتہ چلا۔

(3) ''تیرہویں صدی عیسوی میں شام اہل وینس کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے ایک حاکم قوم کی طرح شام کی پھلتی پھولتی صنعت شیشہ گری سے مکمل طور پر فائدہ اٹھایا''۔

حوالہ: یہ عبارت رفیعہ منظور الامین کے تحریر کردہ سائنسی مضمون ''شیشہ سازی'' سے لی گئی ہے۔

تشریح : اس عبارت میں رفیعہ منظور الامین نے شیشہ سازی کی تاریخ کے بارے میں لکھا کہ تیرہویں صدی عیسوی میں شام اہل وینس کے قبضے میں تھا اور انہوں نے اہل وینس کے لیے شیشہ سازی کرتے ہوئے اہل وینس کی ترقی میں کافی مدد کی۔

مرکزی خیال: تیرہویں صدی عیسوی میں شام نے اہل وینس کی ترقی میں حصہ لیا اور شیشہ سازی میں ترقی کی۔

(4) ''سائنس کی صدہا ایجادیں شیشہ ہی کہ وجہہ سے وجود میں آئیں اور آتی رہتی ہیں۔ تجربہ گاہوں میں شیشہ ہی کے آلات استعمال ہوتے

ہیں۔کیوں کہ شیشہ کسی چیز کے کیمیائی اثر کو قبول نہیں کرتا حتی کے

تیزابوں تک سے بے اثر رہتا ہے"۔

حوالہ: یہ عبارت رفیعہ منظورالامین کے تحریر کردہ سائنسی مضمون "شیشہ سازی" سے لی گئی ہے۔

تشریح :اس عبارت میں رفیعہ منظورالامین نے لکھا کہ شیشہ ایسی شئے ہے جو کسی کیمیائی اثر کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی اس پر تیزاب اثر کرتا ہے۔تجربہ گاہوں میں بھی شیشہ ہی کے آلات استعمال ہوتے ہیں۔شیشہ انسان کی بہت سی ضرورتوں کی تکمیل کرتا ہے۔

II. ذیل کے سوالات کے جوابات ایک سطر میں لکھیئے۔

سوال (1) رفیعہ منظورالامین کب اور کہاں پیدا ہوئیں۔

جواب: رفیعہ منظورالامین 25 / جولائی 1930ء کو عثمان پورہ حیدرآباد میں پیدا ہوئیں۔

سوال (2) رفیعہ منظورالامین کے ناولوں کے نام لکھیے۔

جواب: عالم پناہ۔سارے جہاں کا درد۔یہ راستے۔

سوال (3) رفیعہ منظورالامین کے افسانوں کے مجموعے کون کونسے ہیں۔

جواب: دستک سی دردِ دل پر۔آہنگ۔

سوال (4) رفیعہ منظورالامین کا انتقال کب ہوا۔

جواب: رفیعہ منظورالامین کا انتقال 30 جون 2008ء کو ہوا۔

سوال(5) رفیعہ منظور الامین کے مضامین کے مجموعے کا نام کیا ہے۔

جواب: ''سائنسی زاویے''۔

سوال(6) رفیعہ منظور الامین کے کونسے ناول پر ''فرمان'' سیریئل بنایا گیا۔

جواب: ''عالم پناہ''۔

III مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات چار سطروں میں لکھئے۔

سوال(1) ''آبسیڈن'' کسے کہتے ہیں۔

جواب: رفیعہ منظور الامین نے اپنے سائنسی مضمون ''شیشہ سازی'' میں شیشہ سازی کی تاریخ بیان کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتی ہیں کہ زمانہ قدیم میں لوگ شیشہ کو ہتھیاروں کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ آتش فشان سے نکلنے والا لاوا پہاڑوں کی چٹانوں پر جم جاتا تھا جس کی مدد سے شیشے کے اوزار بنائے جاتے تھے۔ اس تیز دھاردار لاوے کو ''آبسیڈن'' کہا جاتا ہے۔

سوال(2) فائبر گلاس کے تعلق سے آپ کیا جانتے ہیں۔

جواب: رفیعہ منظور الامین نے اپنے سائنسی مضمون ''شیشہ سازی'' میں شیشہ سازی کی تاریخ بیان کی ہے۔ چنانچہ گاڑیوں کے آئینے میں استعمال ہونے والے فائبر گلاس کے تعلق سے لکھتی ہیں کہ اس کے درمیان مہین تاروں کی جالی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب

شیشہ ٹوٹتا ہے تو بکھرتا نہیں ہے۔ اس کی تیاری میں پالی اسٹرسن کو استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ کافی مضبوط ہوتا ہے۔

سوال (3) موٹر کاروں میں استعمال ہونے والے شیشے کو کیا کہتے ہیں۔

جواب: رفیعہ منظور الامین نے اپنے سائنسی مضمون ''شیشہ سازی'' میں شیشہ سازی کی تاریخ بیان کی ہے۔ موٹر کاروں میں استعمال ہونے والے شیشے کے تعلق سے وہ لکھتی ہیں کہ یہ خاص قسم کے شیشے ہوتے ہیں جنہیں ٹرپلکس کہا جاتا ہے۔ اس میں ایک خاص قسم کا مادہ شامل کیا جاتا ہے تاکہ حادثے کی صورت میں شیشے کے ٹکڑے دور تک بکھر کر نقصان نہ پہونچائیں۔

IV. طویل سوالات کے جوابات لکھیئے۔

سوال (1) رفیعہ منظور الامین پر ایک نوٹ لکھئے۔

جواب: (جواب کے لیے مضمون نگار کا تعارف پڑھیں)

سوال (2) مضمون ''شیشہ سازی'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

جواب: (جواب کے لیے مضمون کا خلاصہ پڑھیں)



# حصہ قواعد

## ❖ قواعد کی تعریف

قواعد قاعدے کی جمع ہے۔کسی بھی زبان کو اس کے اصول وضوابط کے مطابق استعمال کرنے کے کچھ قاعدے ہوتے ہیں۔ اگر قواعد کی رعایت کی جائے تو زبان معیاری ہوگی ورنہ زبان کا معیار بگڑ جائے گا۔اردو قواعد میں اسم۔فعل۔صفت۔ضمیر۔علم بیان اور علم عروض اور صرف ونحو سے بحث کی جاتی ہے۔

## (1) نحو کی تعریف

بات چیت یا جملے میں الفاظ کا ایک دوسرے سے اور جملوں کا باہمی تعلق ''نحو'' کہلاتا ہے۔ ہر چیز کی طرح لفظوں کا بھی ظاہر اور باطن ہوتا ہے۔ظاہر کا تعلق صرف سے ہے۔جس سے صرف صورت کی تبدیلی کا ذکر ہوتا ہے۔اور الفاظ کا باطن سے۔اس کا مفہوم اور معنی ہیں جس کی بحث نحو میں کی جاتی ہے۔اس میں زیادہ تر بحث لفظ کے باطن یعنی اس کے معنی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔

## (2) سابقے لاحقے

(A) سابقے : ایسے حروف جو کسی بامعنی لفظ کے شروع میں لگانے سے مرکب لفظ بن

جاتا ہے انہیں ''سابقہ'' کہتے ہیں۔جیسے ان۔با۔بے۔نا وغیرہ

ان : ان پڑھ'ان گنت'انمول'ان دیکھا'انمٹ وغیرہ۔

با : باادب'باکمال'بامعنی'بامقصد'باعزت وغیرہ۔

بے : بےادب'بےخوف'بےزبان'بےباک وغیرہ۔

نا : ناسمجھ'نادان'ناپاک'نالائق'ناکاروہ وغیرہ۔

B) لاحقے: وہ حروف جو کسی بامعنی لفظ کے بعد لگائے جاتے ہیں جیسے دار'مند'دان'ناک وغیرہ۔

دار : مال دار'وفادار'کرایہ دار'جاندار'ایمان دار

مند : عقل مند'دولت مند'خواہش مند'غیرت مند'ہوش مند

دان : پاندان'گل دان'چائے دان'عطردان'توشہ دان

ناک : خطرناک'دردناک'عبرت ناک'خوف ناک'افسوس ناک

I. مختصرترین سوالات

سوال(1) مندرجہ ذیل مثالوں میں سابقے اور لاحقے کی شناخت کیجئے۔

عقل مند (لاحقہ)'باادب (سابقہ) ان پڑھ (سابقہ) عطردان (لاحقہ)

بن بلایا (سابقہ) وفادار (لاحقہ) خطرناک (لاحقہ) ناپاک (سابقہ)

شاندار (لاحقہ) بے زبان (سابقہ)۔

II. مندرجہ ذیل حروف کی مدد سے پانچ سابقے اور لاحقے بنائیے۔

| | | |
|---|---|---|
| ان | : | ان پڑھ، ان جان، ان داتا، انجان، ان مٹ |
| با | : | باادب، باکردار، باذوق، باحیا، بامعنی |
| بے | : | بے ادب، بے کار، بے حساب، بے ایمان، بے اختیار |
| خوش | : | خوش نما، خوش کن، خوشبو، خوش خوراک، خوش فہمی |
| ہم | : | ہم خیال، ہم جماعت، ہم دم، ہم رکاب، ہم وطن |
| دان | : | عطر دان، اگال دان، پان دان، مچھر دان، نمک دان |
| اندیش | : | بداندیش، دور اندیش، خیر اندیش |
| ناک | : | خطرناک، ہیبت ناک، عبرت ناک، افسوس ناک، دردناک |
| پسند | : | ناپسند، دل پسند، من پسند |
| مند | : | عقل مند، دولت مند، غیرت مند، خواہش مند، ہوش مند |

III. سابقے اور لاحقے کی تعریف کیجیے اور مثالیں دیجیے۔

جواب: (جواب کے لیے سبق کے آغاز میں دی گئی تعریفیں دیکھئے)

(3) محاورے

دو یا دو سے زیادہ لفظوں کا مجموعہ جو حقیقی معنی کے بجائے مجازی معنی میں

استعمال کیا جائے محاورہ کہلاتا ہے۔محاورہ ایک دو دن میں نہیں بنتا بلکہ اس میں اہل زبان کی برسوں کی محنت پوشیدہ ہوتی ہے۔محاورے کو جوں کا توں استعمال کرنا چاہئے۔ محاورے زبان کے حسن کو نکھارتے ہیں۔اور بات بلیغ انداز میں قاری تک پہونچتی ہے۔ذیل میں کچھ محاورے اوران کے معنی دئے جارہے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| (1) | آگ بگولہ ہونا | : | بہت غصہ ہونا |
| (2) | پاپڑ بیلنا | : | مشکلیں برداشت کرنا |
| (3) | جی چرانا | : | کام سے بچنا |
| (4) | زخم پرنمک چھڑکنا | : | رنج وغم اور تکلیف میں اضافہ کرنا |
| (5) | سبز باغ دکھانا | : | دھوکا دینا' فریب دینا |
| (6) | مٹھی گرم کرنا | : | رشوت دینا |
| (7) | چار چاند لگانا | : | خوبصورتی میں اضافہ کرنا |
| (8) | آب آب ہونا | : | شرمندہ ہونا' پانی پانی ہونا |
| (9) | گل چھرے اڑانا | : | عیش کرنا' موج مستی کرنا |
| (10) | نو دو گیارہ ہونا | : | بھاگ جانا' غائب ہونا |

❖ محاورے اوران کے معنی

آسمان پر دماغ ہونا=غرور کرنا۔دفتر کے دفتر لکھ دینا=زیادہ لکھنا۔پروانہ محفل ہونا=سب کی نظروں کا مرکز ہونا۔آشیانے کو پھونک دینا=اپنے مقصد کے حصول

کیلئے سب کچھ خرچ کر دینا۔خاک میں ملا دینا= فنا ہو جانا، ختم ہو جانا۔ پانی پانی ہونا=
شرمندہ ہونا۔ پتھر کی لکیر ہونا= اپنی بات پر قائم رہنا۔ پگڑی اچھالنا= بدنام کرنا۔ پھولا نہ
سمانا= بہت خوش ہونا۔ تین تیرہ کرنا= منتشر کرنا۔ تیور بدلنا= ناراضگی کا اظہار کرنا۔ ٹیڑھی
کھیر ہونا= مشکل کام ہونا۔ جال بچھانا= دھوکہ یا فریب دینا۔ جان کے لالے پڑنا=
مصیبت میں پھنس جانا۔ چار چاند لگنا= خوبصورتی یا کسی خوبی میں مزید اضافہ ہونا۔ چراغ
گل ہونا= برباد ہونا، ختم ہو جانا۔ حرف آنا= بدنام ہونا۔ خون سفید ہونا= بے مروت
ہو جانا۔ خون کا پیاسہ ہونا= جان کا دشمن ہونا۔ خون کے گھونٹ پینا= ضبط کرنا۔ خاک
چھاننا =مارے مارے پھرنا۔ دانت کھٹے کرنا = شکست دینا۔ رال ٹپکنا =لالچ
کرنا۔ رونگھٹے کھڑے ہونا= خوف زدہ ہونا۔ رفو چکر ہونا= بھاگ جانا۔ سر ہونا= انجام
دینا۔ سبز باغ دکھانا= دھوکا دینا۔ سر پر کفن باندھنا= جان دینے کیلئے تیار رہنا۔ طوطی
بولنا= شہرت ہونا۔ عید کا چاند ہونا= بہت دن بعد نظر آنا۔ عنقا ہونا= کسی چیز کا کم ملنا۔ قبر
میں پاؤں لٹکانا =مرنے کے قریب ہونا۔ قلعی کھلنا = بھید کھل جانا۔ کان کھڑے
ہونا= ہوشیار ہو جانا۔ کان بھرنا= شکایت کرنا۔ کافور ہونا= غائب ہو جانا۔ گھی کے چراغ
جلانا= خوشی منانا۔ گھڑوں میں پانی پڑنا= بہت شرمندہ ہونا۔ گھاٹ کا پانی پینا= بہت تجربہ
ہونا۔ گل کھلانا= نئی مصیبت پیدا کرنا۔ گاجر مولی سمجھنا= بہت معمولی سمجھنا۔ گریبان میں
منہ ڈالنا= اپنی حالت پر غور کرنا۔ لال پیلا ہونا= خفا ہونا۔ لوہے کے چنے چبانا= سخت
محنت کرنا۔ لالے پڑنا= مصیبت میں پھنس جانا۔ منہ میں پانی بھر آنا= لالچ کرنا۔ مکھی

مارنا= بیکار رہنا۔منہ پھیر لینا= نفرتکرنا۔مٹھی گرم کرنا= رشوت دنا۔منہ کی کھانا= شکست کھانا۔منہ سے پھول جھڑنا = اچھی بات کرنا۔ناک کٹانا = بے عزت ہونا۔ناک رگڑنا۔خوشامد کرنا۔ناکوں چنے چبانا= بہت تنگ کرنا۔ناک میں دم کرنا= بہت تنگ کرنا۔ناک کا بال ہونا= بہت پیارا قریبی ہونا۔ناک بھوں چڑھانا= بیزاری کااظہا کرنا۔ہاتھ پیلے کرنا= شادی کرنا۔ہاتھ ملنا= افسوس کرنا۔ایک انار سو بیمار= ایک چیز کے بہت سے خواہشمند۔

نوٹ : اردو میں محاورے بیشمار ہیں۔طلباء فرصت کے اوقات میں فیروز اللغات نامی اردو لغت سے الفاظ کے درمیان دیئے گئے محاوروں کونوٹ کریں۔لکچررس طلباء سے محاورے لکھ کرلانے کا ہوم ورک کرائیں۔

(4) متضاد اور مترادف الفاظ

(A) متضاد : وہ الفاظ جو معنی میں ایک دوسرے کی ضد ہوں۔انہیں متضاد الفاظ کہتے ہیں۔اپنی بات کو دلچسپ بنانے کے لیے ان کا استعمال کیا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر ان جملوں کو غور سے پڑھیں۔

(1) تجارت میں نفع ونقصان تو لگا رہتا ہے۔

(2) ہار جیت کھیل کا حصہ ہے۔

(3) انسان کا ظاہر و باطن ایک ہونا چاہئے۔

ان جملوں میں نفع نقصان۔ہار جیت۔ظاہر و باطن متضاد الفاظ ہیں۔

چند متضاد الفاظ اس طرح ہیں۔چاند سورج' زمین وآسمان۔اول وآخر۔آغاز وانجام۔ رات ودن۔حلال وحرام۔دین ودنیا۔دوست ودشمن۔قدیم وجدید۔صبح وشام

## B) مترادفات

وہ الفاظ جو معنی میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں انہیں مترادف الفاظ کہتے ہیں۔جملوں میں زور پیدا کرنے کے لیے مترادف الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے۔مثال کے طور پر ان جملوں کو غور سے پڑھیں۔

(1) اتحاد واتفاق ہی سے قوم ترقی کرتی ہے۔

(2) معشوق ہمیشہ رنج وغم میں مبتلا رہتا ہے۔

(3) ان کی زندگی عیش وآرام میں گذر رہی ہے۔

ان جملوں میں اتحاد و اتفاق۔رنج و غم۔عیش و آرام مترادف الفاظ ہیں۔مترادف کی جمع مترادفات ہیں۔چند مترادفات اس طرح ہیں۔

شان وشوکت۔حسن و جمال۔عشق ومحبت۔میل ملاپ۔صنعت وحرفت۔ ہوش وحواس۔خط وکتابت۔عجیب وغریب۔گرد وغبار وغیرہ۔

## (5) حرف کی تعریف اور اس کی اقسام

اردو میں چند حروف ایسے ہیں جو اکیلے معنی نہیں دیتے مگر جب وہ کسی لفظ کے ساتھ مل جاتے ہیں تو وہ معنی دار بن جاتے ہیں۔مثال کے طور پر یہ دیکھیں

میں ۔سے۔تک۔پر

ان حروف کے الگ سے کچھ معنی نہیں ہیں۔مگران الفاظ کو دیکھیں

گھر میں۔کتاب سے۔کالج تک۔درخت پر

یہاں یہ حروف دوسرے سے لفظ سے مل کر معنی دار ہو گئے ہیں۔اس طرح وہ الفاظ ہیں جو دو یا دو سے زیادہ اسموں یا جملوں کو آپس میں جوڑنے یا ربط پیدا کرنے کے لیے لکھے جاتے ہیں۔مثال کے طور پر کالج کو ادب سے جاؤ۔کلاس کی صفائی کا خیال رکھو۔مسجد میں خاموش رہو۔

حرف کی چند قسمیں یہ ہیں۔

(1) حرف ربط

وہ حرف ہیں جو ایک لفظ کا دوسرے سے تعلق قائم کرتے ہیں۔انہیں حرف ربط کہتے ہیں۔مثلاً : میں۔سے۔پر۔تک۔کو۔کا۔کی۔وغیرہ

مثال: بچے میدان میں کھیل رہے ہیں۔میں کالج کو جا رہا ہوں۔اکبر رفیق کا بھائی ہے۔

یہاں میں۔کو۔کا حرف ربط ہیں۔

(2) حرف عطف

وہ حرف ہیں جو دو لفظوں یا جملوں کو آپس میں جوڑتے ہیں۔اس کو حرف ربط کہتے ہیں۔مثلاً: اور۔و۔مگر۔لیکن۔پھر۔وغیرہ

مثال: استاد اور شاگرد۔میں وہاں گیا مگر احمد نہیں تھا۔لکھ لو پھر پڑھ لو۔

یہاں اور۔مگر۔پھر وغیرہ حرف ربط ہیں۔

(3) حرف تخصیص:

وہ حرف جو جملے میں کسی پہلو پر زور ڈالنے یا تائید کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ انہیں حرف تخصیص کہتے ہیں۔مثلاً : بھی۔ہی۔ ہر وغیرہ

مثال: میں نے کالج کا منہ بھی نہیں دیکھا۔

تھوڑے ہی دنوں میں ملک کا منظر بدل جائے گا۔

ہر لڑکا اس بات سے واقف ہے۔

یہاں بھی۔ہی۔ہر حرف تخصیص ہیں۔

(4) حرف فجائیہ

وہ حروف جو جملے میں خوشی، غم، یا حیرت کے جذبات کو ظاہر کریں انہیں حرف فجائیہ کہتے ہیں۔مثلاً: ارے۔واہ۔آہ۔واہ وغیرہ۔

مثال: ارے ! اب تک تم یہیں ہو۔

واہ ! کیا بات ہے۔ آہ ! یہ کیا ہوگیا۔

ان جملوں میں ارے۔واہ۔آہ۔۔حرف فجائیہ ہیں۔حرف فجائیہ کے بعد یہ ! علامت لگائی جاتی ہے۔

(6) رموز اوقاف

رموز : رمز کی جمع ہے۔جس کے معنی اشارہ یا علامت کے ہیں۔اوقاف وقف کی جمع ہے۔جس کے معنی ٹھہرنے کے ہیں۔وہ خاص علامتیں جو عبارت کو صحیح طور پر پڑھنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں انہیں رموز و اوقاف کہتے ہیں۔ان علامتوں سے ہمیں

پتہ چلتا ہے کہ کہاں رکنا ہے اور کہاں کتنا رکنا ہے۔اس سے یہ فائدہ ہے کہ سننے والے کو بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے۔اور پڑھنے والا سکون محسوس کرتا ہے۔

(1) ختمہ یا خط فاصل (Full Stop) :اس کی علامت (۔) یہ ہے۔یہ علامت کسی بھی جملے کے مکمل ہونے پر استعمال کی جاتی ہے۔اس کو ختمہ کہتے ہیں۔انگریزی مخففات کے استعمال کے بعد بھی ختمہ استعمال کیا جاتا ہے۔

مثلاً: آج چھٹی کا دن ہے۔ سی۔بی۔آئی ڈی۔آئی۔جی

(2) سکتہ (Comma) : اس کی علامت (،) ہے۔کسی ایک لفظ یا فقرے کے بعد تھوڑا ٹھہرنے کیلئے جو علامت استعمال کی جاتی ہے اسے سکتہ کہتے ہیں۔

مثال: زبان، خیالات کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔

پرنسپل، اساتذہ ورطلباء کو چاہئے کہ وہ وقت کی پابندی کریں۔

اضلاع کرنول، کڈپہ، چتور اور اننت پور کو رائل سیما کہا جاتا ہے۔

(3) وقفہ (Semi Colan) :اس کی علامت (؛) یہ ہے۔سکتہ سے تھوڑا زیادہ ٹھہرنے کی جگہ یہ علامت استعمال ہوتی ہے۔

مثال: جو جاگے گا، سو پائے گا؛ جو سوئے گا، وہ کھوئے گا۔

شاباش؛ اسی طرح کامیابی حاصل کرتے رہو۔

(4) رابطہ (Colan) : اس کی علامت (:) یہ ہے۔کسی شخص یا بات کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے اس نشان کا استعمال کیا جاتا ہے۔

مثال: سچ ہے: گیا وقت پھر آتا نہیں۔

اس دن کا حال سنو : نو بجے کا وقت تھا' کالج کی گھنٹی بجی۔

اچانک بارش شروع ہوگئی۔

کیا خوب سودا نقد ہے:اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

(5) سوالیہ نشان(Question Mark):اس کی علامت (؟) یہ ہے۔

سوالیہ لہجے کے اظہار کیلئے جملے کے آخر میں جونشان لگایا جاتا ہے۔اسے سوالیہ نشان کہتے ہیں۔مثال یہ کیا ہے؟ آپ کون ہیں؟ کونسی جماعت میں پڑھتے ہو؟

(6) قوسین(Bracket) : اس کی علامت (   ) ہے۔دوران مضمون کسی ایسی عبارت کا ذکر کرنا جس کا تعلق مضمون سے نہیں ہے اسے قوسین میں لکھا جاتا ہے۔دوسری زبان کے الفاظ کے لیے بھی قوسین کا استعمال کیا جاتا ہے۔

مثال: رشید (جوکلکٹر رحیم کے بھائی ہیں) بہت بڑے حکیم ہیں۔

انڈیا گیٹ (India Gate) جوکہ دہلی میں ہے۔

قوسین کا استعمال احتیاط سے کرنا چاہئے۔اس کا بے وقت استعمال عبارت کو بے ربط بنا دیتا ہے۔جس سے پڑھنے میں دقت پیدا ہوتی ہے۔

(7) واوین(Inverted Comma):اس کی علامت ‘‘ ’’ ہے۔

مضمون میں جہاں اقتباس یا کسی کی بات کو اسی کے الفاظ میں تحریر کرنا ہو تو بات کے شروع اور آخر میں واوین کا ستعمال کیا جاتا ہے۔

مثال: ہمارے نبی ﷺ کا فرمان ہے ’’علم حاصل کرو چاہے تمہیں چین جانا پڑے‘‘۔

پرنسپل صاحب کا کہنا ہے کہ ''ہر طالب علم کو وقت کا پابند ہونا چاہئے''۔

(8) فجائیہ (Exclamatory Mark): اس کی علامت (!) یہ ہے۔

عبارت میں جہاں مختلف جذبات' خوشی' غم' حیرت' استعجاب' افسوس وغیرہ کے اظہار کیلئے جو لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔اس کے بعد یہ علامت استعمال کی جاتی ہے۔

مثال: افوہ! کتنی سخت گرمی ہے۔ ماشا اللہ! آج تو بہت لوگ آ گئے۔

افسوس! میں اس وقت موجود نہ تھا۔

❖ سوالات:

سوال (1) نحو کی تعریف کیجئے۔

جواب: بات چیت یا جملے میں الفاظ کا ایک دوسرے سے اور جملوں کا باہمی تعلق ''نحو'' کہلاتا ہے۔ ہر چیز کی طرح لفظوں کا بھی ظاہر اور باطن ہوتا ہے۔ظاہر کا تعلق صرف سے ہے۔جس سے صرف صورت کی تبدیلی کا ذکر ہوتا ہے۔اور الفاظ کا باطن سے۔اس کا مفہوم اور معنی ہیں جس کی بحث نحو میں کی جاتی ہے۔اس میں زیادہ تر بحث لفظ کے باطن یعنی اس کے معنی کے لحاظ سے ہوتی ہے۔

سوال (2) سابقے کی تعریف کیجیے۔

جواب: سابقہ: ایسے حروف جو کسی بامعنی لفظ کے شروع میں لگانے سے مرکب لفظ بن جاتا ہے انہیں ''سابقہ'' کہتے ہیں۔جیسے ان۔با۔بے۔نا وغیرہ

ان : ان پڑھ' ان گنت' انمول' ان دیکھا' انمٹ وغیرہ۔

| | | |
|---|---|---|
| با | : | باادب، باکمال، بامعنی، بامقصد، باعزت وغیرہ۔ |
| بے | : | بےادب، بےخوف، بےزبان، بےباک وغیرہ۔ |
| نا | : | ناسمجھ، نادان، ناپاک، نالائق، ناکارہ وغیرہ۔ |

سوال(3) لاحقے کی تعریف کیجیے۔

جواب: لاحقے: وہ حروف جو کسی بامعنی لفظ کے بعد لگائے جاتے ہیں۔

جیسے: دار، مند، دان، ناک وغیرہ۔

| | | |
|---|---|---|
| دار | : | مال دار، وفادار، کرایہ دار، جاندار، ایمان دار |
| مند | : | عقل مند، دولت مند، خواہش مند، غیرت مند، ہوش مند |
| دان | : | پاندان، گل دان، چائے دان، عطردان، توشہ دان |
| ناک | : | خطرناک، دردناک، عبرت ناک، خوف ناک، افسوس ناک |

سوال(4) ذیل میں سے کوئی پانچ کے لاحقے لگا کر معنی لکھیے۔

جواب: ان مول۔ بےزمین۔ لاعلاج۔ باکردار۔ بےزبان۔ لاجواب۔ بااخلاق

سوال(5) ذیل کے جملوں میں کوئی تین محاوروں کی شناخت کیجیے۔

جواب: (a) لذیذ میووں کو دیکھ کر منہ میں پانی آتا ہے۔ (منہ میں پانی آنا)

(b) حقیقت سامنے آنے پر وہ بغلیں جھانکنے لگا (بغلیں جھانکنا)

(c) آپ سے مل کر دل باغ باغ ہوگیا (دل باغ باغ ہونا)

(d) محنت سے کام کیجیے پاؤں پکڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔(پاؤں پکڑنا)

(e) دوسروں کی عیب جوئی کرنے والوں کو پہلے اپنے گریباں میں منہ ڈالنا چاہئے۔(گریباں میں منہ ڈالنا)

سوال(6) ذیل کے محاوروں سے کوئی پانچ کے معنی لکھئے۔اور جملوں میں استعمال کیجیے۔

جواب: مکھی مارنا : (بے کار وقت گزارنا) کاروبار نہ ہونے کے سبب بیوپاری مکھی مار رہے تھے۔

- قبر میں پاؤں لٹکانا: (بڑھاپا) بڑے میاں ۔ قبر میں پاؤں لٹکے ہوئے تھے لیکن انہیں عاشقی سوجھی۔
- مٹھی گرم کرنا: (کسی کو کچھ رشوت دینا) راجو پولیس والے کی مٹھی گرم کرکے جیل سے باہر نکل آیا۔
- ہاتھ پیلے کرنا: (شادی کرنا) رضیہ کے بہت جلد ہاتھ پیلے ہونے والے تھے۔
- پانی پانی ہونا: (شرمندہ ہونا) چوری کا راز کھلا تو احمد پانی پانی ہوگیا۔
- ہاتھ ملنا: (موقع کھودینا) بارش سے فائدہ نہ اٹھا کر کسان ہاتھ ملنے لگے۔
- کان بھرنا: (کسی کے بارے میں بولنا) بہو اپنی ساس کے بارے میں سہیلی کے کان بھرنے لگی۔
- ناک کٹوانا: (عزت گنوادینا) امتحان میں ناکام ہوکر احمد خاندان کی ناک کٹوا بیٹھا۔

- آگ بجھانا: (غصہ ٹھنڈا کرنا) لوگوں میں بھڑکی آگ کو بجھانے کے لیے وزیر نے اہم کام کیا۔
- مزہ چکھانا: ( دکھانے کے لیے کچھ کرنا) لڑائی میں رشید نے حمید کو خوب مزہ چکھایا۔

سوال (7) ذیل سے کوئی پانچ متضاد الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

جواب: اوّل و آخر: اول و آخر یہ نتیجہ تو آنا ہی تھا۔

- دین و دنیا: انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ دین و دنیا کی فکر کرتا رہے۔
- صبح و شام: انسان کو صبح و شام اپنے مالک کی یاد کرتے رہنا چاہیے۔
- رات دن: رات دن پڑھائی کرنے والے طالب علم ہی اچھے نشانات سے کامیاب ہوتے ہیں۔
- دوست و دشمن: دوستی سے قبل دوست و دشمن میں فرق کر لینا چاہیے۔
- قدیم و جدید: احمد قدیم و جدید ہر قسم کے کمپیوٹر سدھارنا جانتا ہے۔
- زمین و آسمان: زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ ہے اس کا مالک اللہ ہے۔
- حلال و حرام: انسان کو حلال و حرام کی تمیز ہونا چاہیے۔

سوال (8) ذیل سے کوئی پانچ مترادف الفاظ کی نشاندہی کیجیے۔

جواب: دنیا بھی کیا عجیب و غریب ہے۔ (عجیب و غریب)

- اپنے دوستوں سے خط و کتابت کرتے رہنا چاہیے۔ (خط و کتابت)
- ملک کی ترقی میں صنعت و حرفت کا اہم رول ہے۔ (صنعت و حرفت)

- ایسا تو میرے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا۔(خواب وخیال)
- کامیابی کے لیے محنت ضروری ولازمی ہے۔(ضروری ولازمی)
- انہوں نے مقابلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔(بڑھ چڑھ)

سوال (9) حرف کی تعریف کیجیے اور اس کی اقسام کے نام لکھئے۔

جواب: اردو میں کچھ حروف خود سے معنی نہیں دیتے بلکہ دوسروں سے مل کر معنی دیتے ہیں انہیں بے معنی حروف کہتے ہیں۔ جیسے پر، تک، نے وغیرہ۔

جیسے حروف ربط۔عطف۔تخصیص۔فجائیہ وغیرہ

سوال(10) ذیل کے جملوں میں سے کوئی پانچ جملوں کو حرف فجائیہ کے ساتھ لکھئے۔

جواب: افسوس! میں تمہاری مدد نہیں کر سکا۔

- سبحان اللہ! کیا بہترین منظر ہے۔
- آہ! وہ بھی کیا دن تھے۔
- واہ! کیا بات کہی آپ نے۔جزاک اللہ! آپ نے میرا کام مکمل کیا۔

سوال(11) رموز واوقاف سے کوئی تین علامتوں کی تعریف کیجیے۔

جواب:(1) ختمہ یا خط فاصل (Full Stop): اس کی علامت (۔) ہے۔یہ علامت کسی بھی جملے کے مکمل ہونے پر استعمال کی جاتی ہے۔اس کو ختمہ کہتے ہیں۔

انگریزی مخففات کے استعمال کے بعد بھی ختمہ استعمال کیا جاتا ہے۔

مثلاً : آج چھٹی کا دن ہے۔ سی۔بی۔آئی ڈی۔آئی۔جی

(2) سکتہ (Comma) :اس کی علامت (،) ہے۔کسی ایک لفظ یا فقرے کے بعد تھوڑا ٹھہرنے کے لیے جو علامت استعمال کی جاتی ہے اسے سکتہ کہتے ہیں۔

مثال: زبان، خیالات کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔

پرنسپل، اساتذہ ور طلباء کو چاہئے کہ وہ وقت کی پابندی کریں۔

اضلاع کرنول، کڈپہ، چتور اور اننت پور کو رائل سیما کہا جاتا ہے۔

(3) وقفہ (Semi Colan) : اس کی علامت (;) یہ ہے۔سکتہ سے تھوڑا زیادہ ٹھہرنے کی جگہ یہ علامت استعمال ہوتی ہے۔

مثال: جو جاگے گا، سو پائے گا; جو سوئے گا، وہ کھوئے گا۔

شاباش; اسی طرح کامیابی حاصل کرتے رہو۔

سوال(12) رموز واوقاف کی تعریف کیجیے۔

جواب: رموز : رمز کی جمع ہے۔جس کے معنی اشارہ یا علامت کے ہیں۔اوقاف وقف کی جمع ہے۔جس کے معنی ٹھہرنے کے ہیں۔وہ خاص علامتیں جو عبارت کو صحیح طور پر پڑھنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں انہیں رموز واوقاف کہتے ہیں۔ان علامتوں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ کہاں رکنا ہے اور کہاں کتنا رکنا ہے۔اس سے یہ فائدہ ہے کہ سننے والے کو بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے۔اور پڑھنے والا سکون محسوس کرتا ہے۔



# 1 سرسری مطالعہ

## جھنڈا اونچا رہے ہمارا

شکیلہ اختر

### ❖ مصنف کا تعارف

شکیلہ اختر کی پیدائش 16 / اگست 1916ء کو ضلع گیا بہار کے ارول میں ہوئی۔ انہیں اپنی ماں سے بہت محبت تھی۔ان کا بچپن کافی شرارتوں میں گزرا۔ان کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔اور شروع سے ہی شعر و ادب کا ذوق دل میں پروان چڑھتا رہا۔گھر کے ادبی ماحول نے بھی لکھنے اور چھپنے کے شوق کو آگے بڑھایا۔انہوں نے شاعری اور افسانہ نگاری دونوں پر توجہ دی۔ادبی زندگی کا باقاعدہ آغاز 1931ء سے کیا۔ 1936ء میں ان کا پہلا افسانہ زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔اس کے بعد ان کے افسانے اس زمانے کے مشہور رسائل نیرنگ خیال۔ساقی۔ادبی دنیا ورکلیم وغیرہ میں شائع ہوتے رہے۔ان کے افسانوی مجموعے آنکھ مچولی۔درپن۔ڈائن۔تنکے کا سہارا اور لہو کے مول منظر عام پر آچکے ہیں۔

شکیلہ اختر کے افسانوں کے موضوعات بہار کے متوسط طبقے کی گھریلو زندگی ہے۔خاص طور پر بہار کی دیہاتی زندگی پر انہوں نے اپنی نظریں جمائے رکھیں۔ احساس

کی نزاکت اور جمال کی لطافت ان کے افسانوں کی امتیازی خصوصیات ہیں۔اسلوب سادہ اور دلکش ہوتا ہے۔انہوں نے مقامی الفاظ اور محاوروں کو بھی بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے۔شکیلہ اختر نے زندگی کی پریشانیوں کو افسانے لکھ کر بھلانے کی کوشش کی ہے۔ بہار میں اردو افسانے کے فروغ میں انہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔

## ❖ خلاصہ

شکیلہ اختر نے افسانہ ''جھنڈا اونچا رہے ہمارا'' میں ہندوستان کی دیہاتی زندگی کی منظرکشی کی ہے اور غربت اور افلاس کے باوجود اپنے وطن کی نیرنگی کو سلام کیا ہے۔ افسانے کی مرکزی کردار صبو ہے۔ جو پھیپھڑے کے مرض میں مبتلا ہے۔ڈاکٹر اسے کسی ہوا دار مقام میں وقت گزارنے کے لیے کہتے ہیں۔صبو چھوٹا ناگپور کا سفر کرتی ہے اور ٹرین کے سفر کے دوران وہ راستے میں گاؤں کے مناظر اور اسٹیشنوں پر مختلف کاروبار کرنے والوں کو دیکھ کر اپنے مشاہدات کا اظہار کرتی ہے۔صبو دیکھتی ہے کہ چھوٹا ناگپور کے گاؤں ہرے بھرے ہیں جنگلوں میں مختلف جانور ہیں اور چاروں طرف خوبصورت مناظر ہیں۔وہ ٹرین میں ناول کا مطالعہ کرتی رہتی ہے اور اسٹیشن پر جب گاڑی رکتی ہے تو گاؤں والوں کی جانب سے مختلف اشیاء کے بیچے جانے کے مناظر بیان کرتی جاتی ہے۔اسے اچھا نہیں لگتا کہ ہندوستان میں کافی غربت ہے۔اور لوگ اپنے جسم کو بھی پوری طرح ڈھک نہیں سکتے۔ درمیان میں وہ راما کا قصہ بھی بیان کرتی ہے جس کے بچے کو بدن ڈھانکنے کیلئے مناسب کپڑے دستیاب نہیں ہیں۔وہ گاؤں والوں کی توہم پرستی کا ذکر کرتی ہے کہ کس طرح لوگ اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دیتے ہیں۔

گاؤں والے جھنڈا اونچا رہے ہمارا گیت گاتے تھے جو صبو کو اچھا لگتا تھا۔ایک اسٹین پر بہت سے غریب مختلف آوازوں میں بھیک مانگتے دکھائی دیتے ہیں۔صبو کو ایک تین سالہ بچے پر رحم آجاتا ہے وہ توتلی آواز میں کہتا ہے کہ ہم چھلام کرتے ہیں پچھ دے دے۔صبو کو لگتا ہے کہ یہ بچہ ہندوستان کی غربت کی علامت ہے۔ہندوستان کی اس عجیب وغریب تصویر کی منظر نگاری کرتے ہوئے صبو کہتی ہے کہ کچھ بھی ہو ہندوستان کا جھنڈا ہمیشہ اونچا رہنا چاہیئے۔

❖ مرکزی خیال: افسانہ نگار شکیلہ اختر نے ہندوستان کے دیہاتوں اور جنگلی علاقوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے کہا کہ یہاں غربت عام ہے لیکن اس کے باوجود ہندوستان عظیم ملک ہے۔

❖ سوالات کے جوابات تحریر کیجئے۔

سوال (1) ''جھنڈا اونچا رہے ہمارا'' کا خلاصہ لکھئے۔

سوال (2) ''جھنڈا اونچا رہے ہمارا'' میں افسانہ نگار نے کن خیالات کا اظہار کیجیے۔

جواب: (جواب کے لیے افسانہ '''جھنڈا اونچا رہے ہمارا''' کا خلاصہ پڑھیں)

سوال (3) شکیلہ اختر کے بارے میں اپنی معلومات تحریر کیجیے۔

جواب: (جواب کے لیے افسانہ نگار کا تعارف پڑھئے)



# 2 فوٹوگرافر

## قرۃ العین حیدر

### ❖ تعارف

قرۃ العین حیدر (2007-1926) اردو کی نامور افسانہ نگار و ناول نگار گزری ہیں۔ 20 / جنوری 1927ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئیں۔ ان کا آبائی وطن نہوڑ ضلع بجنور ہے۔ ان کے والد سید سجاد حیدر یلدرم اردو افسانے کے بنیاد گزاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی والدہ نذر سجاد حیدر بھی ایک مشہور افسانہ نگار تھیں۔ ان کی ابتدائی تعلیم لکھنو میں ہوئی۔ اور انگریزی زبان میں انہوں نے ایم اے کیا۔ ان کے والد ملازمت کے سلسلے میں ترکی گئے۔ تو وہ بھی ان کے ساتھ گئیں وہاں انہوں نے بہت سی زبانوں پر عبور حاصل کیا۔ تاریخ ان کی دلچسپی کا موضوع رہا۔ یورپ کے سفر اور یورپی زندگی کے مطالعہ نے ان کی نظر کو وسیع اور فن کو گہرا کیا۔ مغرب کے ساتھ ساتھ ہندوستانی تہذیب کا مطالعہ بھی انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کیا۔

قرۃ العین حیدر ایسی افسانہ نگار ہیں جن کے افسانے بے حد جدید ہونے کے باوجود بہت کشش رکھتے ہیں۔ انہیں ذہنی فضا کی پیشکشی اور کرداروں کے ردعمل کی تصویر کشی میں بہت مہارت حاصل ہے۔ انہوں نے ہزاروں برس پر مشتمل زندگی کو چند صفحات میں سمیٹ لیا ہے۔ قدیم ہندوستانی تہذیب اور فلسفہ کو انہوں نے کبھی ناول تو کبھی

افسانے کی شکل میں کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ان کا مشاہدہ گہرا ہے۔انہوں نے عام طور پر اعلیٰ طبقے کو ہی اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ان کے اس رویے پر بعض نقادوں نے ان پر اعتراض بھی کیا ہے۔لیکن انجانی زمین پر قدم رکھنے کے بجائے وہ اپنی زمین پر مضبوطی سے قدم جمائے رکھنا چاہتی ہیں۔ان کے خیال میں وہ نزدیک ہے اور وہ خود اس کا ایک اہم حصہ ہیں۔ان کے پسندیدہ مصنف جیمس جوائس اور ورجینا رہے ہیں۔ستاروں سے آگے۔پت جھڑ کی آواز اور روشنی کی رفتار ان کی کہانیوں کے بہترین مجموعے ہیں۔

## ❖ خلاصہ

قرۃ العین حیدر (1926-2007) اردو کی نامور افسانہ نگار و ناول نگار گزری ہیں۔ان کا ایک افسانہ ''فوٹو گرافر'' ہے۔اس افسانے میں قرۃ العین حیدر نے آزادی سے قبل ایک پہاڑی علاقے کے گیسٹ ہاؤز کے فوٹو گرافر کا حال بیان کیا ہے۔جو گیسٹ ہاؤز میں آنے والے مہمانوں کی تصویر کشی کرتا ہے۔یہ اس دَور کی بات ہے جب کیمرہ مین لوگوں کی فرمائش پر ان کی تصویر کشی کرتے تھے اور کیمرے عام نہیں تھے۔قرۃ العین حیدر نے اپنے پسندیدہ موضوع تاریخ کو بھی اس افسانے میں برتا ہے اور مختلف ادوار کے تاریخی اشارے دیتے ہوئے لکھا کہ لوگ آتے گئے اور زمانہ گزرتا گیا لیکن فوٹو گرافر وہیں موجود رہا اور لوگوں کی تصویریں بناتا رہا۔انگریز دور میں یہاں انگریز آتے ۔شراب اور رقص وسرور کی محفلیں سجتی تھیں اور لوگ فوٹو گرافر سے اپنی تصویریں بناتے رہتے تھے۔فوٹو گرافر دیکھتا ہے کہ کبھی یہاں شادی شدہ جوڑے ہنی مون منانے آتے ہیں تو کبھی نوجوان

لڑکے لڑکیاں تفریح کی غرض سے قیام کرتے ہیں۔فوٹو گرافر کی زبانی افسانہ نگار نے گیسٹ ہاؤز میں رہنے والے مکینوں کی نقل وحرکت کو بیان کیا ہے کہ کس طرح نوجوان جوڑا گیسٹ ہاؤز میں رہتے ہیں لڑکی اپنے دوست کونزلہ زکام کی دوا لینے کے لیے کہتی ہے۔نوجوان جوڑا جب صبح جھیل کی سیر کونکلتا ہے تو فوٹو گرافر اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے انہیں فوٹو لینے کے لیے تیار کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ باہر جاؤ گی تو اس دنیا کے ہنگاموں میں کھو جاؤ گی اس لیے جانے سے پہلے تصویر بنالو میں شام تک یہ فوٹو تیار کر کے دے دوں گا۔دوسری صبح نوجوان جوڑا واپسی کے لیے تیاری کر رہا تھا۔فوٹو گرافر نے ان کی تصویر بیرے کے ذریعے بھیج دی۔لڑکی نے تصویر کو دراز میں رکھنے کے لیے کہا لیکن باہر نکلتے وقت وہ تصویر لینا بھول گئی۔نوجوان جوڑا روانہ ہوگیا۔وقت گزرتا رہا فوٹو گرافر بوڑھا ہو چکا تھا لیکن وہ گیسٹ ہاؤز چھوڑ کر کہیں نہیں گیا۔بہت عرصہ بعد ایک بوڑھی خاتون گیسٹ ہاؤز میں آکر رکی۔اتفاق سے اس نے جس کمرے میں قیام کیا کئی سال قبل بھی وہ اس کمرے میں رک چکی تھی۔اس نے دراز میں ہاتھ ڈالا تو اسے ایک بوسیدہ لفافہ ملا۔جس میں جھینگر تھے اس نے ہاتھ جھٹکا تو ایک نوجوان لڑکی کی تصویر نظر آئی یہ اسی کی تصویر تھی جو کئی سال قبل فوٹو گرافر نے اس کے نوجوان دوست کے ساتھ بنائی تھی۔لڑکی رقاصہ تھی نوجوانی میں لوگ اس کی تصویریں لیتے تھے اب وہ بوڑھی ہو چکی ہے۔صبح وہ روانگی کے وقت فوٹو گرافر سے بات کرتی ہے اور کئی سال قبل اس کی جانب سے بنائی گئی تصویر کا ذکر کرتی ہے کہ یہ تصویر آج تک محفوظ رہی۔فوٹو گرافر اسکے دوست کے بارے میں دریافت

کرتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ دنیا کے ہنگاموں میں وہ کھو گیا ہے۔اس طرح قرۃ العین حیدر نے فوٹو گرافر کے ذریعے ایک پہاڑی علاقے میں گزرتے وقت کے ساتھ انسانی سفر کو بیان کیا ہے۔

**مرکزی خیال:** فوٹو گرافر گیسٹ ہاؤز میں ہر آنے جانے والے کی تصویریں لیتا ہے۔کچھ لوگ بہت عرصہ گزرنے کے بعد پھر اس گیسٹ ہاؤز کو آتے ہیں تو انہیں وقت کے گزرنے کا احساس ہوتا ہے۔زندگی کے سفر کو افسانہ نگار نے ایک فوٹو گرافر کی زندگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

❖ سوالات کے جوابات تحریر کیجیے۔

سوال(1) افسانہ ''فوٹو گرافر کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

جواب:(جواب کے لئے خلاصہ لکھیے)

سوال(2) ''فوٹو گرافر'' سے متعلق افسانہ نگار کے مختلف خیالات کا اظہار کیجیے۔

جواب: (جواب کے لیے مضمون کا خلاصہ پڑھیں)

سوال(3) قرہ العین حیدر کے بارے میں ایک نوٹ لکھیے۔

جواب: (جواب کے لیے افسانہ نگار کے حالات زندگی پڑھیں)



# 3 ماں

واجدہ تبسم

---

### ❖ مصنف کا تعارف

واجدہ تبسم (1935-2011) اردو کی مشہور افسانہ نگار گزری ہیں۔ اپنے افسانوں میں خواتین کے مسائل کی عکاسی کے لئے مشہور ہیں۔ 16/ مارچ 1935ء کو امراوتی مہاراشٹرا میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ بی اے کی ڈگری عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد سے حاصل کی۔ اس کے بعد ان کا خاندان امراوتی سے حیدرآباد منتقل ہوا۔ واجدہ تبسم کی شادی ان کے رشتہ دار اشفاق احمد سے 1960ء میں ہوئی۔ جو انڈین ریلوے میں ملازم تھے۔ ان کی کہانیوں کا سلسلہ بیسویں صدی سے شروع ہوا۔ بند دروازے' تہ خانہ' کیسے سمجھاؤں' زخمِ دل اور مہک اور زر زن زمیں واجدہ تبسم کے مشہور افسانوی مجموعے ہیں۔ وہ بعد میں ممبئی منتقل ہوگئیں۔ ان کا انتقال 7/ ڈسمبر 2011ء کو ممبئی میں ہوا۔

واجدہ تبسم نے اپنی کہانیوں میں حیدرآباد کی عیش و آرام میں ڈوبی ہوئی نوابی زندگی کو نشانہ بنایا۔ ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ''شہر ممنوع'' 1960ء میں شائع ہوا۔ مجتبیٰ حسین نے انہیں عصمت چغتائی کے بعد افسانے لکھنے والوں میں صاحب اسلوب قرار دیا۔ لیکن ان کی بعض کہانیوں پر اعتراض بھی کیا۔ ان میں سنجیدگی نہیں ہے۔ وہ افسانے ''اترن'' ''نتھ اترائی'' ہیں۔ جن پر دوسروں نے بھی تنقید کی ہے۔ انہوں نے اترن

1975ء میں لکھا تھا۔جس پر 1998ء میں سیریل بنایا گیا۔واجدہ تبسم کی چند اور کہانیوں پر سیریل اور فلمیں بھی بنیں۔ان کے ابتدائی افسانے ان کی ادبی زندگی کے بہترین کارنامے کہے جاسکتے ہیں۔انہوں نے حیدرآبادی تہذیب اور ثقافت کی ترجمانی اپنے افسانوں میں کی ہے۔ان کی زیادہ تر کہانیاں عورت کے مسائل کو پیش کرتی ہیں۔انہوں نے عورت کی مظلومی اور خودمختاری کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔''کیسے کاٹوں رات اندھیری'' ان کے افسانوں کا نمائندہ مجموعہ ہے۔نصابی کتاب سرسری مطالعہ میں ان کا افسانہ ''ماں'' شامل ہے۔

### ❖ خلاصہ

واجدہ تبسم (1935-2011) اردو کی مشہور افسانہ نگار گزری ہیں۔وہ اپنے افسانوں میں خواتین کے مسائل کی عکاسی کے لئے مشہور ہیں۔نصابی کتاب کے سرسری مطالعہ حصے میں ان کا ایک افسانہ ''ماں'' شامل ہے جس کا خلاصہ پیش ہے۔

واجدہ تبسم نے افسانہ ''ماں'' میں ایک غریب ماں بیٹی کا قصہ بیان کیا ہے۔ واجدہ تبسم کہانی کی مرکزی کردار زہرہ کے زبانی اپنا افسانہ بیان کرتی ہے۔زہرہ کے دو چھوٹے بھائی بہن تھے۔وہ لوگ غریب تھے اور ان کی ماں گھر کے کام کرکے باہر والوں کی سلوائی کرتی تھیں۔وہ خود بچوں کی نگہداشت کرنے کے بجائے زہرہ سے کہتیں کہ بچوں کا خیال رکھے۔اور ہمیشہ کہتیں کہ زہرہ یہ کردو زہرہ وہ کردو۔مسلسل گھر کے کام کرنے سے زہرہ کو کھیل کود کا موقع نہیں ملتا اور غربت کے سبب وہ اچھا کھانے اور پہننے

سے بھی معذور تھے۔ اپنی غربت اور مسلسل کام کی وجہ سے وہ اپنی ماں سے نفرت کرنے لگی تھی۔ اسے پتہ نہیں تھا کہ ماں کی ممتا اور محبت کیا ہوتی ہے۔ زہرہ اسکول میں رہتی تو اسے کچھ سکون ملتا لیکن گھر آتے ہی پھر ماں کی باتیں سننا پڑتیں۔ ایک دفعہ ماں نے پوچھا اسکول سے آگئی ہو تو زہرہ بلند آواز میں غصہ سے کہتی کہ ہاں آگئی ہوں۔ بیٹی سے اونچی آواز میں جواب سن کر ماں کو اچھا نہیں لگا وہ اپنی بیٹی کو نصیحت کرتے ہوئے کہتی ہے کہ دوسرے گھروں کی بیٹیاں بھی اپنی ماؤں کی گھریلو کام کاج میں مدد کرتی ہیں۔ زہرہ کہتی کہ دوسری لڑکیاں اپنے گھروں کی اچھی باتیں سناتی رہتی ہیں اور مجھے اب تک یہ محسوس نہیں ہوا کہ ماں بھی کسی بیٹی سے محبت کرتی ہے۔ ایک دفعہ اسکول میں ٹیچر نے "ماں" کے موضوع پر لکھنے کے لیے کہا تو سب لڑکیوں نے کچھ نہ کچھ لکھا لیکن زہرہ نے کچھ نہیں لکھا۔ ٹیچر کے دریافت کرنے پر زہرہ نے کہا کہ ماں اچھی ہوتو اس کے بارے میں کچھ لکھوں گی میری ماں تو مجھے ہمیشہ ڈانٹتی رہتی ہیں۔ اس لیے میں نے ان کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ ٹیچر نے کہا کہ تم ابھی بچی ہو ماں کو محبت کو کیا سمجھو گی بھلا۔ زہرہ سوچنے لگتی کہ میں گیارہ برس کی ہوں اور لوگ اسے ابھی چھوٹی بچی سمجھتے ہیں۔ زہرہ کہتی ہے کہ ایک دفعہ بارش بہت ہوئی۔ موسم سرد ہوگیا۔ ان کے گھر میں ٹین میں سوراخ تھے جس سے پانی ٹپکتا تھا اور ٹھنڈی ہوا گھر میں داخل ہوتی تھی۔ موسم کی تبدیلی سے زہرہ کو شدید بخار آگیا۔ وہ اس جگہ سو رہی تھی جہاں سے سوراخ میں سے ٹھنڈی ہوائیں اس کے جاڑے میں مزید اضافہ کر رہی تھیں۔ ماں نے دیکھا کہ اس کی بیٹی کو شدید بخار ہے اور وہ جاڑے سے کانپ رہی ہے۔ زہرہ کی ماں کے پاس ایک ہی ساڑی تھی اور غربت کی وجہ سے وہ آرام دہ بستر

بھی نہیں رکھ پاتے تھے۔ ماں نے کہا کہ میری بیٹی بخار میں بھن رہی ہے اور میں ساڑی پہنے پھر رہی ہوں انہوں نے اپنی ساڑھی کے تکڑے کیے اور ان سے ٹین میں لگے ایک ایک سوراخ کو بند کیا تا کہ ٹھنڈی ہوا ان کی بیٹی کو مزید نقصان نہ پہونچائے۔ تب زہرہ کو احساس ہوا کہ ماں کی ممتا کیا چیز ہوتی ہے۔ بہت دن تک وہ ماں کی ممتا کو یاد کرتی رہی اور سوچتی رہی کہ کاش کوئی ماں کے بارے میں مضمون لکھنے کے لیے کہے تو وہ اپنے جذبات کا اظہار کر سکے۔

**مرکزی خیال:** واجدہ تبسم نے افسانہ ''ماں'' میں غربت میں ڈوبی زہرہ کو احساس دلایا

کہ ماں غریب بھی ہو تو اپنی اولاد کو دکھ کے وقت اکیلا نہیں چھوڑتی اور خود تکلیف میں رہ کر اپنی اولاد کے آرام کا خیال رکھتی ہے۔

❖ سوالات کے جوابات تحریر کیجیے۔

سوال (1) واجدہ تبسم کے افسانہ ''ماں'' کا خلاصہ لکھئے۔

سوال (2) ''ماں'' کے بارے میں افسانہ نگار کے خیالات کا اظہار کیجیے۔

جواب: (جواب کے لیے افسانے کا خلاصہ پڑھیں)

سوال (3) واجدہ تبسم کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کیجیے۔

جواب: (جواب کے لیے'' افسانہ نگار کا تعارف پڑھیں)



# 4 جنت کی تلاش

## جیلانی بانو

### ❖ مصنف کا تعارف

جیلانی بانو 14 / جولائی 1936ء کو بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ان کے والد علامہ حیرت بدایونی اردو کے مشہور شاعر تھے۔لیکن ان کی عمر کا بڑا حصہ حیدر آباد میں گذرا۔بچپن میں فنون لطیفہ سے لگاؤ تھا۔خاص کر مصوری بے حد پسند تھی۔ڈرامہ اسٹیج کرنے کا بھی شوق پال رکھا تھا۔انہیں آغا حشر کے ڈرامے نقل کرنے میں بڑا مزہ آتا تھا۔سات بھائی بہن تھے اور سب کے سب آرٹسٹ تھے۔کوئی فوٹوگرافر کوئی شاعر کوئی ڈرامہ نگار تھا۔کسی کو میوزک سے دلچسپی تھی تو کسی کو صحافت سے۔سب کے ساتھ رہ کر زندگی گذارتے ہوئے انہوں نے طرح طرح کے تجربات حاصل کئے۔جیلانی بانو نے 1959ء میں بی اے پاس کیا اور ان کی شادی انور معظم سے ہوئی جو خود ایک فنکار تھے۔

جیلانی بانو کو کہانی لکھنے کا شوق بچپن سے تھا۔ان کی آرزو تھی کہ وہ بڑی ہو کر مشہور افسانہ نگار بنیں اور ان کی یہ آرزو پوری بھی ہوئی۔ان کی پہلی کہانی ''ایک نظر ادھر بھی'' 1952ء میں شائع ہوئی۔انہوں نے تقریباً 20 کتابیں لکھیں۔''روشنی کے مینار'' ان کے افسانوں کا مجموعہ ہے۔اور ایوان غزل ان کا بہترین ناول ہے۔جیلانی بانو کی

ایک مشہور کہانی نرسیا کی باوڈی ہے جس پر ایک فلم ''ویلڈن ابا'' شیام بنیگل نے بنائی۔انہوں نے اپنے افسانوں میں عورتوں کے مسائل، جہیز، بیٹی کی پیدائش، طلاق، آپسی جھگڑے، نفسیاتی الجھنیں، غریبی جہالت اور اندھ وشواس جیسے موضوعات کو پیش کیا۔انہیں کئی ایوارڈ ملے۔حکومت آندھرا پردیش نے 1960ء میں 'ساہتیہ اکیڈیمی نے 1985ء میں' سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ 1989' میں ہریانہ اردو اکیڈیمی اور حکومت ہند نے انہیں پدم شری ایوارڈ سے نوازا۔ سچ کے سوا اور بات پھولوں کی ان کی مشہور کتابیں ہیں۔

❖ خلاصہ

جیلانی بانو حیدرآباد سے تعلق رکھنے والی اردو کی مشہور افسانہ نگار ہیں۔ان کا ایک افسانہ ''جنت کی تلاش'' ہے۔جس میں انہوں نے جنت دوزخ کے تعلق سے معصوم بچوں کے خیالات کو فنکاری کے ساتھ پیش کیا ہے۔اکثر ہمارے سماج میں بچے مولوی صاحب کے پاس اسلامی باتیں سیکھتے ہیں۔مولوی بھی انہیں کتابی انداز میں دین کی باتیں سکھاتے ہیں۔لیکن بچوں کے معصوم سوالات سے مولوی بھی گھبرا جاتے ہیں۔ایسے ہی ایک مولوی صاحب کے پاس پڑھنے والی ایک منی نے معصومیت سے کہا کہ اس نے اللہ میاں کو خط لکھا کہ وہ اس کے والد کو بہت سے روپئے بھیجیں۔مولوی صاحب منی سے کہتے ہیں کہ اللہ میاں کو خط نہیں لکھتے منی معصومیت سے پوچھتی ہے کہ کیا اللہ میاں اردو نہیں پڑھتے۔تب مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ہمیں دعا مانگ کر اللہ میاں سے اپنی ضروریات طلب کرنا چاہئے۔مسجد کے دروازے پر کھڑا ایک اندھا لوگوں سے ایک روپیہ طلب کرتا

ہے تو بچہ معصومیت سے مولوی صاحب سے پوچھتا ہے کہ اگر اللہ میاں اس اندھے کی بات سنتے ہیں تو وہ اللہ میاں سے ایک ہزار روپے کیوں طلب نہیں کرتا۔مولوی صاحب اس سوال کا جواب نہیں دے سکے۔مولوی صاحب بچوں کو نماز پڑھنے، جھوٹ نہ بولنے اور چوری نہ کرنے کی تلقین کرتے۔ بچے پھر سوالات شروع کردیتے مولوی صاحب کہنے لگتے کہ جھوٹ بولو گے تو تم دوزخ میں جاؤ گے وہ دوزخ کے حالات اس انداز میں سناتے کہ بچے ڈر جاتے۔رضیہ دوزخ کا حال سن کر ڈر جاتی۔منی کہتی ہے کہ تو کیوں ڈر رہی ہے۔وہ کہتی ہے کہ مولوی صاحب کو نہیں معلوم کہ دوزخ آسمان پر نہیں بلکہ زمین پر ہے۔مولوی صاحب کہتے کہ کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں اگر دوزخ زمین پر ہے تو چل مجھے دکھا۔منی انہیں اپنے ساتھ لے کر جنگم بستی میں آتی ہے اور کہتی ہے کہ ہماری جھونپڑی دوزخ میں ہے۔رات کو جب ہمارے باپ سیندھی پی کر آتے ہیں اور ماں کو مارتے ہیں تو ماں کہتی ہے ۔یہ گھر تو دوزخ میں ہے۔جس طرح مولوی صاحب نے دوزخ کی کیفیت بیان کی ہے اسی طرح ہمارے گھر میں دوزخ کی طرح نہ کھانا ملتا ہے۔گھر میں اندھیرا ہے۔لائٹ بھی نہیں ہے۔ چراغ جلانے کے لیے تیل نہیں ہے۔ پانی دور سے لانا پڑتا ہے۔ابا چاول نہیں لائے تو اماں جھوٹ بول کر ہانڈی پکانے کا بہانا کرتی ہے۔کوئی ہمارے گھر نہیں آتا۔ بارش میں ہر طرف پانی بھر جاتا ہے۔ ہمارے گھر سانپ بھی نکلا تھا۔اس طرح ہمارا گھر دوزخ سے کم نہیں۔مولوی صاحب پریشان ہوجاتے کہ اب انہیں دوزخ کے بارے میں کیسے ڈراؤں۔ یہ تو دنیا میں ہی دوزخ جھیل رہے ہیں۔اچانک مسجد کے باہر فائرنگ کا شور ہوتا ہے۔کسی ہوٹل میں بم پھٹا تھا۔اس کے پیچھے مزدوروں کی

بستی تھی جس میں آگ لگ گئی تھی۔ ہر طرف آگ کے شعلے نظر آرہے تھے۔ بچے سہمے ہوئے تھے۔ آگے بڑھنے کا راستہ نہیں تھا۔ بچے مولوی صاحب سے کہتے ہیں کہ کیا آج دوزخ زمین پر آ گئی ہے۔ اب آپ اس دوزخ کی جانب ہمیں مت لے جایئے ہمیں تو جنت کا راستہ دکھایئے۔ مولوی صاحب دل ہی دل میں خدا کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یا اللہ تو نے دوزخ تو زمین پر اتار دی اور جنت کا وعدہ حشر تک ٹال دیا۔ مجھے وہ راستہ بتا کہ میں ان بچوں کو جنت میں لے جاسکوں۔

مرکزی خیال: جیلانی بانو نے بڑی فنکاری سے بچوں کی زبانی دوزخ کی حقیقت بیان کردی ان کا یہ افسانہ سماج میں غریبوں کی حالت زار کا پتہ دیتے ہے۔ اور بچے بھی حقیقی جنت کی تلاش میں رہتے ہیں۔

❖ سوالات کے جوابات تحریر کیجیے۔

سوال (1) افسانہ ''جنت کی تلاش'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

سوال (2) ''دوزخ'' کے بارے میں مولوی صاحب کے خیالات کا اظہار کیجیے۔

جواب: (جواب کے لیے افسانہ ''جنت کی تلاش'' کا خلاصہ پڑھیں)

سوال (3) جیلانی بانو اور ان کی افسانہ نگاری سے متعلق آپ کیا جانتے ہیں۔

جواب: (جواب کے لیے افسانہ نگار جیلانی بانو کے حالات زندگی پڑھیں)



# 5 پہچان

آمنہ ابوالحسن

## مصنف کا تعارف

آمنہ ابوالحسن کی پیدائش 10 / مئی 1941ء کو حیدرآباد میں ہوئی۔ان کے والد کا نام ابوالحسن سید علی تھا۔ جو ماہر قانون ہونے کے ساتھ ساتھ سیاست سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔آمنہ ابوالحسن کو بچپن سے ہی فنون لطیفہ س گہری وابستگی تھی۔اپنی عمر کے ابتدائی دور سے ہی وہ موسیقی اور ادب کی شوقین تھیں۔انہوں نے زندگی کا ہر جذبہ موسیقی اور ادب سے ہی حاصل کیا۔محبت اور خوبصورتی ان کی کمزوری رہی اس لیے حیات کی تلخیاں اور سختیاں ان کے لیے آسان ہوگئیں۔ان کے الفاظ میں ''دلوں کا طواف کعبہ کا طواف ہے''۔وہ کہتی ہیں کہ جو شخص انسان سے پیار نہیں کرسکتا وہ اللہ سے عشق نہیں کرسکتا۔

آمنہ ابوالحسن اپنے اطراف واکناف پر گہری نظر رکھتی ہیں۔اور انہوں نے اس کا اظہار اپنے افسانوں میں کیا ہے۔ان کے ہر افسانے میں کچھ نہ کچھ مقصدیت ضرور ہوتی ہے۔ان کی اکثر کہانیوں کا تعلق عورتوں کی نفسیات سے ہے۔انہوں نے زندگی کے حادثات اور عملی تجربات کی بنیاد پر اپنے کردار تخلیق کئے ہیں۔کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ''غم کائنات ان کے افسانوں میں ایک چشمہ کی طرح ابلتا ہے۔اور ایک قوت کی طرح پنپتا ہے۔ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''کہانی'' اور دوسرا ''بائی فوکل'' ہے۔انہوں نے بہت سے ناول بھی لکھے۔مثلاً سیاہ سرخ، تم کون ہو، واپسی، آواز اور پلس مائنس ۔ آمنہ ابوالحسن کو جدید دور کی

بڑھتی ہوئی پیچیدگیوں، نفسیاتی الجھنوں اور انسانی تاریخ کی کربناکی کی تصویر کشی میں مہارت ہے۔ان کے افسانے ذہن وفکر میں ایک احساس پیدا کرتے ہیں۔جو ان کی کہانیوں کا نچوڑ ہوتا ہے۔ان کا ایک افسانہ پہچان سرسری نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

## ❖ خلاصہ

آمنہ ابوالحسن حیدرآباد سے تعلق رکھنے والی اردو کی مشہور افسانہ نگار ہیں۔ان کا ایک افسانہ ''پہچان'' ہے جس میں دیہاتی زندگی کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔اس افسانے کا مرکزی کردار ایک نوجوان ہے جو اپنے گاؤں میں لگی آگ بجھانے کے دوران تھک گیا تھا اور جب آگ بجھانے والا عملہ آیا تو وہ دور ایک ٹیلے پر جاکر بے ہوش ہوجاتا ہے۔ کچھ دیر بعد جب اسے ہوش آتا ہے تو ایک چرواہا اس کے قریب ہوتا ہے۔نوجوان بھوک سے نڈھال تھا۔ چرواہا ایک سیٹی مار کر اپنی بہن کو طلب کرتا ہے۔اور اسے گھر سے دودھ لانے کیلئے کہتا ہے۔نوجوان بھوکا تھا لڑکی نے جب دودھ لایا تو اس نے ایک لوٹا بھر دودھ فوری پی لیا۔ چرواہا اس کے گاؤں سے دور اس پہاڑی علاقے میں آنے کی وجہ پوچھتا ہے اور لڑکی سے کہتا ہے کہ وہ اسے گھر لے جائے اور اس کے آرام کا انتظام کرے۔ چرواہا دیہاتی تھا اور اس کے ساتھ نیزہ بھی تھا۔گاؤں والے اپنے ساتھ حفاظت کیلئے ہتھیار رکھتے تھے۔نوجوان لڑکی کے گھر گیا۔ باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ چرواہا لڑکی کا بھائی تھا۔لڑکی کہتی ہے کہ اس کے والدین گاؤں گئے ہیں جہاں وہ اس کے ہاتھ کی بنی چٹائیاں اور پنیر بیچ کر آئیں گے۔نوجوان نے کہا کہ کیا یہ عجیب نہیں کہ ایک اجنبی کو لڑکی کے ساتھ تنہا بھیج دیا جائے تب لڑکی جواب دیتی ہے کہ کوئی فرق نہیں پڑتا ہم اپنی حفاظت کرنا خوب جانتے ہیں۔وہ تھکا ہوا تھا چٹائی پر سو گیا۔شام میں چرواہے کے گھر والے لوٹے۔نوجوان کا تعارف ہوا اور اسے

پیاز پنیر اور روٹی کھانے کو دی گئی۔نوجوان ایک مرتبہ پھر شام ہوتے ہی آرام کیلئے لیٹ گیا۔صبح چرواہے کے گھر والے سب کام پر چلے گئے۔چرواہا دور کچھ کام کر رہا تھا۔لڑکی نے نوجوان سے کہا کہ وہ منہ دھو لے۔نوجوان منہ دھونے لگا اور درمیان میں زندگی کی نیرنگیوں کو یاد کرنے لگا کل سے آج تک واقعات اس کے ذہن میں آئے۔وہ چرواہے سے کہنے لگا کہ اب میں اپنے گاؤں جاؤں گا۔زندگی کا سفر بھی تو جاری رکھنا ہے۔نوجوان چرواہے کی چاقو اور نیزے سے ڈر گیا تھا۔چرواہے نے کہا کہ ہم اپنی حفاظت کیلئے اپنے اوزاروں کو کند ہونے نہیں دیتے۔نوجوان ان کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے گاؤں لوٹ گیا۔

❖ مرکزی خیال: آمنہ ابوالحسن نے افسانہ ''پہچان'' میں ایک دیہاتی نوجوان کا قصہ بیان کیا ہے جو اپنے گاؤں میں آگ لگنے کے بعد ایک پہاڑی علاقے میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا لیکن ایک دن کے بعد اسے اپنا گھر اور گاؤں یاد آ جاتا ہے۔اور وہ اپنے گھر لوٹ جاتا ہے۔

❖ سوالات کے جوابات تحریر کیجیے۔

سوال(1) آمنہ ابوالحسن کے افسانے ''پہچان'' کا خلاصہ لکھئے۔

سوال(2) افسانہ ''پہچان'' کے اہم کرداروں کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کیجیے۔

سوال(3) آمنہ ابوالحسن کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں لکھئے۔

جواب: (سوال 1 اور 2 کیلئے خلاصہ اور 3 کیلئے منصف کا تعارف پڑھیں)



# 6 میٹر گرتا ہے

صادقہ نواب سحر

 مصنف کا تعارف

ڈاکٹر صادقہ نواب سحر کا اصلی نام صادقہ آراء ہے۔ان کی پیدائش 8/اپریل 1957ء کو ضلع گنٹور آندھرا پردیش میں ہوئی۔ان کے والد کا نام خواجہ میاں صاحب اور والدہ کا نام شرف النساء بیگم تھا۔جب وہ صرف پانچ مہینوں کی تھیں۔انکے والدین ممبئ چلے گئے۔ان کی ابتدائی تعلیم امام باڑہ اسکول، بھنڈی بازار اور ثانوی تعلیم انجمن اسلام طیب جی ہائی اسکول بیلاس روڈ ممبئ میں ہوئی۔بی اے (اردو،فارسی) صوفیہ کالج ممبئ یونیورسٹی سے 1978ء میں پاس کیا اور ایم اے (اردو) ممبئ یونیورسٹی سے 1981ء میں کیا۔آگے چل کر انہوں نے ہندی اور انگریزی میں بھی ایم اے کی ڈگریاں حاصل کیں۔ اور پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی ممبئ یونیورسٹی سے حاصل کرنے میں کامیاب رہیں۔وہ اس وقت شعبہ ہندی میں اسوسی ایٹ پروفیسر کی حیثیت سے کے ایم سی کالج کھپولی (ضلع رائے گڑھ) مہاراشٹرا میں اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں۔صادقہ نواب سحر کی شادی محمد اسلم نواب سے ہوئی اور ان کی دو اولادیں ہیں ایک لڑکا محمد نبیل اور ایک لڑکی لبنیٰ۔

صادقہ نواب سحر بچپن ہی سے ادبی ذوق رکھتی تھیں۔اپنی پانچویں جماعت ہی

میں انہوں نے تخلیقی سفر شروع کیا تھا۔ان کا پہلا افسانہ بیسویں صدی میں 1980ء میں شائع ہوا۔وہ ایک کامیاب ناول نگار، بہترین افسانہ نگار، اچھی ڈرامہ نویس اور خوش فکر شاعرہ ہیں۔ان کا ناول ''کہانی کوئی سناؤ متاشا'' شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔اس ناول کی بنا انہیں غیر معمولی شہرت ملی۔اس ناول کے دوسری زبانوں میں بھی ترجمے ہوئے۔ اور سب زبانوں میں یہ بہت مقبول ہوا۔صادقہ نواب سحر کی دوسری کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(1) انگاروں کے پھول (شعری مجموعہ) (2) خلش بے نام سی (افسانوں کا مجموعہ) (3) مکھوٹوں کے درمیان (ڈراموں کا مجموعہ) اور (4) پتھروں کا شہر وغیرہ۔

ان کے تمام افسانے اپنے اندر ایک کشش رکھتے ہیں۔کوئی افسانہ موضوع کے لحاظ سے اچھا ہے تو کوئی تکنیک کے اعتبار سے عمدہ ہے کسی افسانے کی کہانی پڑھنے والے کو چونکا دیتی ہے۔انہیں کئی ایوارڈز سے بھی نوازا گیا۔ان کے لکھنے کا سلسلہ آج بھی جاری ہے اور رفتار بھی تیز ہے۔ ڈاکٹر صادقہ نواب سحر کی ادبی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جائیں گی۔صادقہ نواب سحر کا ایک افسانہ ''میٹر گرتا ہے'' سرسری مطالعہ کے نصاب میں شامل ہے۔

❖ خلاصہ

صادقہ نواب سحر اردو کی ایک مشہور افسانہ نگار ہیں۔ممبئی میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔افسانہ ''میٹر گرتا ہے'' میں انہوں نے ممبئی شہر میں ٹیکسی چلانے والے ایک غریب کی زندگی کا نقشہ کھینچا ہے جو دو وقت کی روٹی کمانے کے لیے صبح سے رات گیارہ

بجے تک ٹیکسی چلاتا رہتا ہے۔ عام طور پر ٹیکسی ڈرائیوروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ مسافروں سے بات کرتے ہوئے ٹیکسی چلاتے ہیں اور اپنا احوال اور حالات حاضرہ پر گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ افسانہ میٹر گرتا ہے میں ایک ٹیکسی ڈرائیور مسافر سے بائیکلہ سے روانہ ہوتے ہوئے گفتگو شروع کی۔اس نے کہا کہ آج کا دن ٹھیک نہیں ہے۔ ساڑھے تین بج گئے ہیں میں نے کھانا نہیں کھایا ہے۔ میرا بیٹا بیمار ہے۔ سرکاری ڈاکٹر ہڑتال پر ہیں۔ پرائیویٹ ڈاکٹر فیس زیادہ لیتا ہے۔اس کی فیس پانچ سو ہے لیکن میں نے اسے دوسو دیئے ہیں جان پہچان کا ہے۔ لیکن اس نے پانچ سو ساٹھ روپئے کی دوائیں لکھ کردی ہیں۔اب تک میں نے صرف دوسو روپئے کمائے ہیں۔ مسافر نے دریافت کیا کہ اس کے بیٹے کو کیا ہوا ہے تو اس نے کہا کہ ڈاکٹر نے کہا کہ ملیریا ہوا ہے۔ اور اگر علاج بروقت نہ کیا جائے تو یرقان بھی ہوسکتا ہے۔ٹیکسی ڈرائیور نے کہا کہ شہر میں ٹریفک زیادہ ہے اس لیے کام کرنے میں مزہ نہیں آتا۔ اگر ایر پورٹ روڈ پر ٹیکسی چلائیں تو زیادہ پیسے کمائے جاسکتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے کہ گھر میں غربت زیادہ ہے بجلی کا بل دو ہزار کا ہے۔ اگر نہ بھریں تو بجلی کاٹ دی جائے گی۔ پانی کا بل زیادہ تھا اس لیے میں صبح چار بجے اٹھ کر سرکاری نل سے بچوں کے لیے پانی بھرتا ہوں بچوں سے کہوں کہ وہ خود اپنے نہانے کے لیے پانی بھرلیں تو کہتے ہیں کہ انہیں سرکاری نل سے پانی بھرنا اچھا نہیں لگتا۔ جب رات میں تھک کر گھر پہونچتا ہوں تو بیوی کہتی ہے کہ وہ اس کے لیے وقت نہیں نکالتا۔ ان باتوں کے درمیان مسافر منیش مارکٹ میں اتر جاتا ہے اور ٹیکسی کا بل پینسٹھ روپئے ادا کر کے گزر

جاتا ہے۔ ایک مسافر کو چھوڑ کر وہ دوسرے مسافر کو لیے میٹر ڈال کر روانہ ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی کا سفر ایسے ہی ٹیکسی چلاتے ہوئے گزرنے لگتا ہے۔ اس طرح صادقہ نواب سحر نے ممبئ میں ٹیکسی چلانے والوں کی غربت کو بیان کیا ہے۔

مرکزی خیال: ممبئ میں غریب ٹیکسی چلانے والوں کو شدید محنت کرنے کے باوجود زندگی گزارنے کیلئے دو وقت کی روٹی برابر نہیں ملتی۔ اور وہ دن رات جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔

❖ سوالات کے جوابات لکھیں

سوال (1) افسانہ ''میٹر گرتا ہے'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

سوال (2) افسانہ ''میٹر گرتا ہے'' میں ٹیکسی ڈرائیور نے مسافر سے اپنے بارے میں کیا کہا۔ تفصیل سے لکھئے۔

جواب: (سوال نمبر 1 اور 2 کے جواب کے لیے افسانے کا خلاصہ دیکھیں)

سوال (3) صادقہ نواب سحر کے بارے میں ایک نوٹ لکھئے۔

جواب: (جواب کے لیے افسانہ نگار کے حالات زندگی دیکھیں)



# MODEL QUESTION PAPER

# URDU PAPER-II 2020-21

# NEW SYLLABUS

Time : 3 Hours Max Marks 100

نوٹ: تمام سوالات کے جواب مطلوب ہیں۔ ہر سوال کے نشان محاذی درج ہیں۔

1. خط کشیدہ الفاظ کے معنی لکھتے ہوئے کسی دو اشعار کی تشریح کیجیے۔

$2 \times 3 = 6$

(1) تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

(2) مرے کام آگئیں آخرش یہی کاوشیں یہی گردشیں
بڑھیں اس قدر میری منزلیں کہ قدم کے خار نکل گئے

(3) اتنا معلوم ہے ایک شاعر مشہور ہوں کون تھے غالبؔ ومخدومؔ مجھے کیا معلوم

(4) اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا رنج راحت فزا نہیں ہوتا

2. ذیل میں سے کسی ایک نظم کا خلاصہ لکھئے۔ $1 \times 6 = 6$

(1) بارش (2) اجنبی

3. کوئی ایک سوال کا خلاصہ لکھئے۔ $1 \times 6 = 6$

(1) انشائیہ ''دیا سلائی'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

(2) رشید احمد صدیقی نے مولانا محمد علی کی شخصیت کے کن پہلوؤں کو اجاگر کیا۔

(3) ڈپٹی نذیر احمد کی انگریز افسر سے ملاقات کا حال بیان کیجیے۔

4 ذیل میں سے کسی ایک سوال کا جواب لکھئے۔ $1 \times 8 = 8$

(1) افسانہ ''ماں'' کا خلاصہ لکھئے۔

(2) افسانہ ''میٹر گرتا ہے'' کا خلاصہ لکھئے۔

(3) افسانہ ''جنت کی تلاش'' کا خلاصہ لکھئے۔

5. ذیل میں سے کوئی دو سوالات کے جواب لکھئے۔ $2 \times 3 = 6$

(1) مومن خاں مومنؔ کا تعارف بیان کیجئے۔

(2) اختر الایمان کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں۔

(3) ظفر علی خان کی علمی وادبی خدمات بیان کیجئے۔

(4) قمر قیسی نگری کے بارے میں لکھئے۔

6 متن کے حوالے سے کوئی دو اقتباسات کی تشریح کیجئے۔ $2 \times 3 = 6$

(1) ''خدمت گار اور اردلی کے چپراسیوں نے تو احاطے کے باہر ہی سے تاڑ لیا تھا'

کوٹھی کے پاس آتے ہی دیکھ کر قصداً ادھر اُدھر کوٹل گئے''۔

(2) ''لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کو شاعری سے مناسبت نہ تھی۔اس لیے وہ بہت جلد اس کوچہ سے نکل آئے۔اور نثر کی طرف توجہ دی''۔

(3) ''اوہو آپ کو یہ غرہ بھی ہے! بے شک آپ خلیفہ خدا ہیں۔مگر سب چیزوں کی حقیقت آپ کو معلوم نہیں ہے''۔

(4) ''کس بلا کے بولنے اور لکھنے والے تھے۔بولتے تو معلوم ہوتا ابوالہول کی آواز اہرام مصر سے ٹکرا رہی ہے۔لکھتے تو معلوم ہوتا کرپ کے کارخانے میں توپیں ڈھل رہی ہیں۔یا پھر شاہجہاں کے ذہن میں تاج کا نقشہ مرتب ہو رہا ہے''۔

7. ذیل میں سے کسی دو سوالات کے مختصر جواب لکھیے۔ $2 \times 3 = 6$

(1) ظفر علی خان کے اخبار کے بارے میں لکھیے۔

(2) سرور جہاں آبادی کی نظموں کے مجموعوں کے نام لکھیے۔

(3) اختر الایمان نے کس کی جانب اجنبی کا خیال ظاہر کیا ہے۔

(4) بارش کے وقت کس طرح کا منظر ہوتا ہے۔

8. ذیل میں سے کسی دو سوالات کے مختصر جواب لکھیے۔ $2 \times 3 = 6$

(1) سرسید کی نشو نما میں اہل دلی کا کیا کردار رہا۔

(2) دیا سلائی کا تعلق کس شہر سے ہے۔

(3) سینما کے عشق سے پطرس بخاری کو کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

(4) آبسیڈن کسے کہتے ہیں۔

.9 حسب ذیل سوالات کے جوابات ایک سطر میں لکھئے۔ $5 \times 1 = 5$

(1) ظفر علی خان کو جیل کیوں جانا پڑا۔

(2) سرور جہاں آبادی کسے فردوس کا نمونہ بنانا چاہتے ہیں۔

(3) اختر الایمان کی خودنوشت کا نام کیا ہے۔

(4) مومن کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی۔

(5) مجروح سلطان پوری کو کونسا ایوارڈ دیا گیا۔

.10 حسب ذیل سوالات کے جوابات ایک سطر میں لکھئے۔ $5 \times 1 = 5$

1۔ ڈپٹی نذیر احمد کو انگریزوں کی طرف سے کونسا خطاب ملا۔

2۔ مولانا شبلی کی کوئی دو کتابوں کے نام لکھئے۔

3۔ انشائیہ دیا سلائی کس نے لکھا۔

4۔ آشفتہ بیانی میری کس کی لکھی ہوئی سوانح حیات ہے۔

5۔ رفیعہ منظور الامین کے مضامین کے مجموعے کا نام کیا ہے۔

11. صحیح جوڑ ملائیے۔ $5 \times 1 = 5$

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| 1 | فوٹوگرافر | A | شکیلہ اختر | (  ) |
| 2 | ماں | B | واجدہ تبسم | (  ) |
| 3 | پہچان | C | آمنہ ابوالحسن | (  ) |
| 4 | جنت کی تلاش | D | قرۃ العین حیدر | (  ) |
| 5 | میٹر گرتا ہے | E | واجدہ تبسم | (  ) |
| 6 | جھنڈا اونچا رہے ہمارا | F | صادقہ نواب سحر | (  ) |

12. ذیل میں سے کسی پانچ کی تعریف کرتے ہوئے مثالیں دیجئے۔

$5 \times 2 = 10$

1۔حرف عطف۔2۔حرف ربط۔ 3۔حرف فجائیہ۔ 4۔وقفہ 5۔سوالیہ
6۔قوسین 7۔حرف تخصیص 8۔ختمہ 9۔رابطہ 10۔واوین

13. ذیل میں سے کوئی پانچ الفاظ کوسابقے یالاحقے لگا کر لکھیے۔ $5 \times 2 = 10$

1)پڑھ۔2)وارث3) زمین4) جان 5) دکان6) ممکن7)جادو
8)عقل 9) دولت 10) فن

14. A)ذیل کے جملوں میں محاوروں کی شناخت کیجیے۔ $5 \times 1 = 5$

(1) راشد گیند کھونے کے بعد آگ بگولہ ہوگیا۔

(2) امتحان میں کامیابی کے لیے اسے بہت پاپڑ بیلنے پڑے۔

(3) احمد ہمیشہ کھیل سے جی چراتا تھا۔

(4) امتحان میں ناکامی کے بعد رشید سعید کے زخموں پر نمک چھڑکنے لگا۔

(5) آج کل لوگ جلد دولت مند بنانے کے سبز باغ دکھاتے ہیں۔

B. ذیل میں سے کوئی پانچ الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔ $5 \times 1 = 5$

1۔صبح وشام 2۔زمین وآسمان 3۔شاہ وگدا 4۔حلال وحرام

5۔دوست دشمن۔ 6۔عجیب وغریب 7۔شان وشوکت

8۔خط وکتابت۔ 9۔ہوش وہواس 10۔عشق ومحبت

15. ذیل کے جملوں کو رموز واوقاف لگا کر درست کیجئے۔ $6 \times 1 = 6$

1۔ شاباش اسی طرح کھیلتے رہو

2۔ یہ قلم کس کا ہے

3۔ افوہ کتنی سخت گرمی ہے

4۔ چارمینار Charminar جو کہ حیدرآباد میں ہے

5۔ ہمارے نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ گود سے گور تک علم حاصل کرو

16. محاورے کی تعریف کیجیے۔اپنی پسند کے پانچ محاورے لکھ کر ان کی معنی لکھیئے۔ $1 \times 5 = 5$



# ہماری پیاری زبان اردو

وہ کرے بات تو ہر لفظ سے خوشبو آئے
ایسی بولی وہی بولے جسے اردو آئے

سلیقے سے ہواؤں میں جو خوشبو گھول سکتے ہیں
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جو اردو بول سکتے ہیں

وہ عطر دان سا لہجہ مرے بزرگوں کا
رچی بسی ہوئی اردو زبان کی خوشبو

وہ اردو کا مسافر ہے یہی پہچان ہے اس کی
جدھر سے بھی گزرتا ہے سلیقہ چھوڑ جاتا ہے

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغؔ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

نہیں کھیل اے داغؔ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے






**DECCAN TRADERS**
**Bookseller & Publishers**
23-2-378, Moghalpura, Hyderabad-500 002
Ph : 040-24521777, 24561777, 7416321777
Website : www.deccantraders.co.in
E-mail : dthyd@yahoo.com
₹100